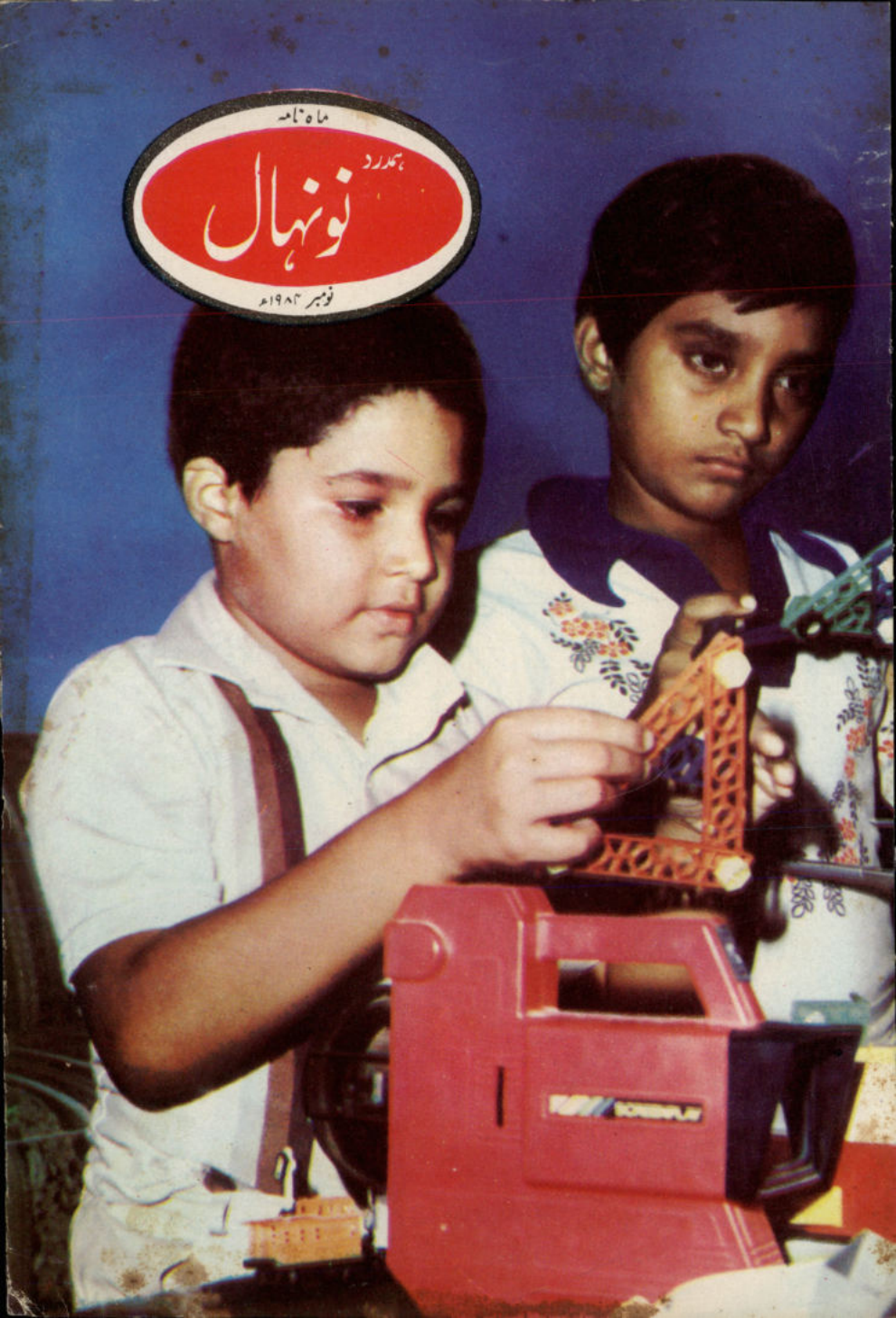

ماہ نامہ

ہمدرد

نونہال

نومبر ۱۹۸۲ء

لحمیات (پروٹینز) کے وجود سے روئے زمین پر حیات ممکن ہوئی!

حیاتِ انسانی اور صحتِ جسمانی کے لئے لحمیات (پروٹینز) خوراک کا ناگزیر حصہ ہیں۔
انسان کی انفرادیت وشخصیت اور اعمال و وظائف کی تکمیل اور
خیالات کی توانائی لحمیات کے بغیر ممکن نہیں۔ لحمینا چنیدہ جڑی بوٹیوں،
پروٹینز، کاربوہائیڈریٹس اور دیگر غذائی اجزا کا ایک متوازن مرکب ہے۔
روزانہ کے تھکا دینے والے کام جب جسم انسانی کے کل پرزوں کو کمزور
کر دیتے ہیں، تو وہ صرف پروٹینز سے دوبارہ نشوونما حاصل کرتے ہیں۔
لحمینا بجا طور پر جسم انسانی کے لئے ایک مفید اور قابل اعتماد
غذائی معاون ہے۔
لحمینا کا روزمرہ باقاعدگی سے استعمال جسم انسانی کی نشوونما کو
برقرار رکھتا ہے اور جسم میں توانائی پیدا کرتا ہے۔

خاندان کے ہر فرد کے لئے ایک مکمل غذائی ٹانک

لحمینا — برائے اسٹیمنا

ہمدرد

ہم خدمتِ خلق کرتے ہیں

احسان کا بدلہ نہ ادا کر سکو تو شکریہ ادا کرو۔

فون : 616001 سے 616005 (۵ لائنیں)

ماہنامہ

ہمدرد نونہال

مجلس ادارت

صدر مجلس — حکیم محمد سعید
مدیر اعلا — مسعود احمد برکاتی
مدیرۂ اعزازی — سعدیہ راشد

صفر ـــــ ۱۴۰۵ ہجری
نومبر ـــــ ۱۹۸۴ عیسوی
جلد ـــــ ۳۲
شمارہ ـــــ ۱۱

قیمت فی شمارہ ۳ روپے
سالانہ (سادہ ڈاک سے) ۳۰ روپے
سالانہ (رجسٹری سے) ۶۶ روپے

پتا: ہمدرد نونہال
ہمدرد ڈاک خانہ
ناظم آباد۔ کراچی ۱۸

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان
نے نونہالوں کی تعلیم و تربیت اور صحّت و مسرّت کے لیے شائع کیا

اس رسالے میں کیا ہے ؟

جاگو جگاؤ	جناب حکیم محمد سعید	۳	تحفے	باذوق نونہال	۶۵
کاغذ سے اخبار تک (نظم)	جناب شاعر لکھنوی	۴	اسکواش کا کھیل	جناب ساجد علی ساجد	۶۹
خیال کے پھول	ننھے گل چیں	۵	معلومات عامہ ۲۲۳	ادارہ	۷۵
بچوں کے لیے چند نصیحتیں	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال	۶	اخبارِ نونہال	ننھے صحافی	۷۶
بچوں کے اقبال	جناب ڈاکٹر اظہر پرویز	۸	نونہال مصور	ننھے آرٹسٹ	۷۹
اقبال کے شاہین (نظم)	جناب عبدالغنی شمس	۱۶	مسکراتے رہو	ننھے مزاح نگار	۸۰
توتا کہانی	رشید احمد صدیقی	۱۷	صحت مند نونہال	ادارہ	۸۲
حرص اور رحم	جناب مناظر صدیقی	۱۹	اس شمارے کے مشکل الفاظ	ادارہ	۸۳
پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں		۲۹	نونہال ادیب	ننھے لکھنے والے	۸۵
چالاک خرگوش	جناب کرشن چندر	۳۳	دوات کی آپ بیتی	جناب کوثر چاندپوری	۱۰۳
پتھر دل	جناب معراج	۴۱	چوہے کو راستہ بتائیے	ادارہ	۱۰۶
کارٹون	جناب مشتاق	۵۱	معلومات عامہ ۲۲۱ کے جوابات (انعام کا اعلان)		۱۰۷
طب کی روشنی میں	جناب حکیم محمد سعید	۵۳	بزم نونہال	نونہال پڑھنے والے	۱۲۰
میسور کے جنگلوں میں	جناب عبدالمجید قریشی	۵۷	بلاعنوان سچا افسانہ (انعام کا اعلان)		۱۲۶

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیثِ نبوی آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لیے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے، لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہوں اُن کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حُرمتی سے محفوظ رکھیں۔

اس رسالے کی تمام کہانیوں کے کردار اور واقعات فرضی ہیں۔ ان میں سے کسی کی کسی حقیقی شخص یا واقعے سے مطابقت محض اتفاقی ہو سکتی ہے، جس کے لیے ادارہ ذمے دار نہ ہوگا۔

حکیم محمد سعید پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعاتِ ہمدرد ناظم آباد کراچی نمبر ۱ سے شائع کیا۔

جاگو جگاؤ

کوئی کام سیکھے بغیر نہیں آتا۔ بعض لوگ سیکھنے کی کوشش کے بغیر ہی بد دل اور مایوس ہو جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس کام کی مشق نہیں ہوتی وہ بہت مشکل معلوم ہوتا ہے۔ مشکل معلوم ہونے کی وجہ سے کوشش چھوڑ دینا عقل مندی نہیں ہے اور یہ بھی عقل مندی نہیں ہے کہ غلطی کے ڈر سے کوئی کام کیا ہی نہ جائے۔ میں تو کہتا ہوں کہ غلط کام کرنا نہ کرنے سے اچھا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص غلط کام کرتا ہے وہ صحیح کام بھی کر سکتا ہے۔ جو آدمی کام کرنے کا عادی ہے وہ اپنے غلط کاموں کو بھی صحیح کر سکتا ہے، لیکن جس کو کام کرنے کی عادت ہی نہیں ہے یا کام کرنا آتا ہی نہیں۔ اس سے تو صحیح کام کی توقع کرنا ہی بے کار ہے۔

کبھی یہ نہ سوچو کہ ہمیں یہ کام نہیں آتا، اس لیے کوشش کریں گے تو غلطیاں کریں گے غلطیوں سے تو آدمی سیکھتا ہے۔ کام کرنے سے تجربہ حاصل ہوتا ہے اور غلطی سے سبق ملتا ہے، لہٰذا تجربہ حاصل کرنا چاہتے ہو اور غلطی سے بچنا چاہتے ہو تو غلطی سے نہ ڈرو۔ کام شروع کر دو۔ اس کے بعد تمھیں خود معلوم ہو جائے گا کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے۔

غلطی سے ڈرنے والے کسی کام میں مشق اور مہارت نہیں حاصل کر سکتے۔

غرض یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ کام کرنے والے غلطی کرنے سے نہیں ڈرتے اور غلطی سے آدمی سبق سیکھتا ہے۔

تمھارا دوست اور ہمدرد

حکیم محمد سعید

کاغذ سے اخبار تک

شاعر لکھنوی

بہت بڑا خاندان تھا اِک
میں سادہ کاغذ کا تھان تھا اِک

بجا ہے دُنیا میں میرا ڈنکا
ہیں میرے قبضے میں چین و لنکا

قیام کب اک جگہ ہے میرا
کہ شہر در شہر ہے بسیرا

نصیب نے راستہ دِکھایا
چلا جہاں سے پریس میں آیا

مجھے مقدّر نے یوں ٹٹولا
نئی اُمیدوں کا باب کھولا

ہوئیں مجھے چھاپنے کی باتیں
مرا نَسب ناپنے کی باتیں

دہکتے رنگوں کو میں نے چکّھا
مشین نے مجھ پہ ہاتھ رکھا

عطا کیا حُسن کا قرینہ
سجایا لفظوں سے میرا سینہ

سَجا کے تازہ بہار مجھ میں
چمن کھلائے ہزار مجھ میں

بھرے حسیں نقش میرے اندر
رواں کیا عِلم کا سمندر

تمام جب ہو گئی چھَپائی
مشین کی دیکھیے صفائی

بڑے سلیقے سے کاٹا چھانٹا
بہت سے ٹکڑوں میں مجھ کو بانٹا

چمک اُٹھا پھر نیا سویرا
بدل گیا پیرہن ہی میرا

بڑا طَرح دار بن گیا ہوں
"میں ایک اخبار بن گیا ہوں"

* قرآن کریم

اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر خاک میں نہ ملاؤ۔

مرسلہ: نامور وقار بلوچ، پسنی

* حضور اکرمؐ

خدا کی نظر میں وہ عظیم ہے جس کا اخلاق بلند ہے۔

* حضرت عمرؓ

سب سے زیادہ عقل مند وہ ہے جو اپنی بات کو اچھی طرح ثابت کر سکے۔

* حضرت امام جعفر

مصیبت میں آرام کی تلاش سے مصیبت اور بڑھتی ہے۔

مرسلہ: رخسانہ تبسم، کراچی

* حضرت علیؓ

تجربوں کو یاد رکھنا عقل حاصل کرنے کا دوسرا نام ہے۔

جس نے مجھے ایک حرف کی بھی تعلیم دی ہے اُس نے مجھے اپنا غلام بنالیا۔

* شیخ سعدیؒ

اگر چڑیاں متحد ہو جائیں تو شیر کی کھال نوچ سکتی ہیں۔

* قائداعظمؒ

اصل چیز زندگی نہیں ہے بلکہ ہمت، صبر و تحمل اور عزم صمیم ہے جو زندگی کو زندگی بنا دیتے ہیں۔

مرسلہ: محمد حسیب القادر یزدانفر، ملتان شہر

* مولانا محمد علی جوہر

انسان کی بے غرض خدمت کرنا انسانیت کی معراج ہے۔

مرسلہ: محمد حنیف وقار، بہاول نگر سٹی

* ارسطو

ہر ایک نئی چیز اچھی معلوم ہوتی ہے، مگر دوستی جتنی پرانی ہو اتنی عمدہ اور مضبوط ہوتی ہے۔

مرسلہ: اطہر اقبال، کراچی

* مامون رشید

اپنی زبان سے اپنی تعریف کرنا اپنی طرف سے لوگوں کا خیال خراب کرنا ہے۔

* ارسطو

زیادہ باتونی شخص پڑھنے کی طرف کم توجہ کرتا ہے۔

* نامعلوم

تعلیم ایک دولہا ہے جس کا سایہ پڑتے ہی آدمی انسان بن جاتا ہے۔

مرسلہ: مسعود الثقلین، ملیر کالونی

بچّوں کے لیے چند نصیحتیں

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال

کاٹ لینا ہر کٹھن منزل کا کچھ مشکل نہیں
اِک ذرا انسان میں چلنے کی ہمّت چاہیے

مِل نہیں سکتی نگینوں کو زمانے میں مُراد
کام یابی کی ہو جو خواہش تو محنت چاہیے

خاک محنت ہو سکے گی ہو نہ جب ہاتھوں میں زور
تن درستی کے لیے ورزش کی عادت چاہیے

خوش مزاجی ساز مانے میں کوئی جادو نہیں
ہر کوئی تحسیں کرے ایسی طبیعت چاہیے

ہنس کے ملنا رام کر لیتا ہے ہر انسان کو
سب سے میٹھا بولنے کی تم کو عادت چاہیے

ایک ہی اللہ کے بندے ہیں سب چھوٹے بڑے
اپنے ہم جنسوں سے دنیا میں محبّت چاہیے

ہے بُرائی سی برائی، کام کل پر چھوڑنا
آج سب کچھ کر کے اُٹھو، گر فراغت چاہیے

جو بُروں کے پاس بیٹھے گا بُرا ہو جائے گا
نیک ہونے کے لیے نیکوں کی صحبت چاہیے

ساتھ والے دیکھنا تم سے نہ بڑھ جائیں کہیں
جوش ایسا چاہیے، ایسی حمیّت چاہیے

حکم راں ہو کوئی ہو اپنا ہو یا بے گانہ ہو
دی خدا نے جس کو عزّت اس کی عزّت چاہیے

دیکھ کر چلنا کچل جائے نہ چیونٹی راہ میں
آدمی کو بے زبانوں سے بھی اُلفت چاہیے

ہے اسی میں بھید عزّت کا اگر سمجھے کوئی
چھوٹے بچّوں کو بزرگوں کی اطاعت چاہیے

علم کہتے ہیں جسے سب سے بڑی دولت ہے یہ
ڈھونڈ لو اس کو اگر دنیا میں عزّت چاہیے

سب بُرا کہتے ہیں لڑنے کو بُری عادت ہے یہ
ساتھ کے لڑکے جو ہوں ان سے رفاقت چاہیے

ہوں جماعت میں شرارت کرنے والے بھی اگر
دُور کی ان سے فقط صاحب سلامت چاہیے

دیکھنا آپس میں پھر نفرت نہ ہو جائے کہیں
اس قدر حد سے زیادہ بھی نہ ملّت چاہیے

باپ دادوں کی بڑائی پر نہ اترانا کبھی
سب بڑائی اپنی محنت کی بہ دولت چاہیے

چاہتے ہو گر کہ سب چھوٹے بڑے عزّت کریں
شرم آنکھوں میں، نگاہوں میں مروّت چاہیے

بات اونچی ذات میں بھی کوئی اترانے کی ہے
آدمی کو اپنے کاموں کی شرافت چاہیے

گر کتابیں ہو گئیں میلی تو کیا پڑھنے کا لُطف
کام کی چیزیں ہیں جو ان کی حفاظت چاہیے

بچّوں کے اقبال

ڈاکٹر اطہر پرویز

ڈاکٹر اطہر پرویز صاحب بہت کام یاب اُستاد، اچھے انسان اور عمدہ لکھنے والے تھے۔ اِن خوبیوں کے علاوہ اُن کی بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے بچّوں کے لیے بھی بہت لکھا اور اچھا لکھا۔ اس زمانے میں جب بڑے اور مشہور ادیب بچّوں کے لیے لکھنے سے بچتے اور گھبراتے ہیں، ممکن ہے شرماتے بھی ہوں، کسی مشہور ادیب کا بچّوں کے لیے لکھنا اور لکھتے رہنا بڑی قابلِ قدر بات ہے۔ ڈاکٹر اطہر پرویز صاحب نے جہاں بڑوں کے لیے کام کی کتابیں لکھیں وہاں بچّوں کے ادب میں بھی قیمتی اضافے کیے۔ ان کی کتابیں ہندوستان میں چھپیں اور پاکستان کے پڑھنے والوں سے چھپی رہیں۔ افسوس کہ پرویز صاحب کو ۱۹۸۴ء میں اللہ میاں نے اپنے پاس بُلا لیا، ورنہ ان کی تحریروں سے ہمیں اور فائدہ اُٹھانے کا موقع ملتا۔

ڈاکٹر اطہر پرویز صاحب نے بچّوں کے لیے جو اچھی اچھی کتابیں لکھی اور مُرتب کی ہیں اُن میں ایک کتاب "بچّوں کے اقبال" بھی ہے۔ اس کتاب کے شروع میں انھوں نے علامہ اقبال کے حالات بڑے سادہ اور سبق آموز انداز میں لکھے ہیں، پھر بچّوں کے لیے اقبال کی نظمیں جمع کی ہیں۔ ان نظموں میں چند نظمیں ایسی بھی ہیں جو علامہ کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ ہم پرویز صاحب کے لکھے ہوئے حالاتِ اقبال اور علامہ کی ایک پیاری نظم "بچّوں کے لیے چند نصیحتیں" یہاں شائع کر رہے ہیں۔ یہ نظم آپ نے اس سے پہلے نہیں پڑھی ہوگی۔ کتاب "بچّوں کے اقبال" مکتبہ پیامِ تعلیم، نئی دہلی نے شائع کی تھی۔ ہم ان کے شکریہ کے ساتھ یہ تحریریں شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر اعلا)

۹۔ نومبر ۱۸۷۷ء کی تاریخ اردو ادب کے لیے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ جانتے ہو کیا بات ہے؟

اس لیے کہ اس دن اردو کے ایک بہت بڑے شاعر پیدا ہوئے۔ تم نے بھی اُن کا نام سُنا ہو گا۔ اُن کا نام تھا ڈاکٹر سر محمد اقبال۔ یہ نہ صرف بہت بڑے شاعر تھے بلکہ بہت بڑے فلسفی بھی تھے۔ عالم بھی تھے اس لیے سب لوگ انھیں علامہ اقبال کہتے تھے۔

علامہ اقبال کے آباو اجداد کشمیری پنڈت تھے۔ یہ سپرد گوت کے برہمن تھے، جو ڈھائی تین سو سال پہلے مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر یہ لوگ کشمیر چھوڑ کر ملتان میں سیال کوٹ چلے آئے اور یہیں آکر بس گئے تھے۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد کا سیال کوٹ میں ایک چھوٹا سا کاروبار تھا، لیکن ان کا کاروبار میں جی نہ لگتا تھا۔ جو کچھ تھوڑا بہت اس کام میں مل جاتا اسی میں بڑے صبر اور شکر کے ساتھ گزر بسر کرتے تھے۔ یہ بڑے نیک اور اللہ والے انسان تھے۔ انھیں دنیا کے کاموں سے جب فرصت ملتی تو وہ اس وقت کو بزرگوں اور نیک لوگوں کی خدمت میں بیٹھ کر گزار دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔

شیخ نور محمد کے دو بیٹے تھے۔ ایک عطا محمد اور دوسرے محمد اقبال۔ عطا محمد، اقبال سے سترہ اٹھارہ سال بڑے تھے۔ انھوں نے ہی اقبال کو اعلا تعلیم حاصل کرنے میں مدد کی۔ انگریزوں کے خلاف ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کی بغاوت کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ یوں سمجھیے کہ یہ بغاوت اقبال کی پیدائش سے ۲۰ سال پہلے ہوئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام طور پر ہندوستانیوں میں اور خاص طور پر مسلمانوں کے دل میں انگریزوں سے نفرت بیٹھ گئی تھی۔ مسلمان تو اتنے ناراض تھے کہ وہ انگریزی تعلیم کے ہی سرے سے مخالف ہو گئے، لیکن شیخ نور محمد پرانے خیال کے آدمی نہ تھے۔ انھوں نے اپنے دونوں لڑکوں کو انگریزی تعلیم دی۔ ان کے بڑے بیٹے عطا محمد پڑھ لکھ کر انجینئر ہو گئے اور اقبال مشن اسکول میں تعلیم پانے کے بعد کالج میں داخل ہو گئے۔ مشن اسکول میں عربی کے ایک استاد تھے مولوی میر حسن شاہ۔ یہ شیخ نور محمد کے بڑے گہرے دوست تھے۔ یہ بہت اچھے استاد تھے اور اپنے شاگردوں کو بڑے شوق سے پڑھاتے تھے۔ انھوں نے چند روز کے اندر اندازہ لگا لیا کہ اقبال کوئی عام طالب علم نہیں تھے۔ اس لیے وہ اقبال کو اور زیادہ محنت سے پڑھاتے تھے۔ اقبال کی زندگی پر جن اُستادوں کا غیر معمولی اثر پڑا۔ ان میں مولوی میر حسن قابلِ ذکر ہیں۔

ایک بار تو ایسا ہوا کہ شیخ نور محمد کو خیال پیدا ہوا کہ اقبال کو محض دینوی تعلیم دی جائے۔

چناں چہ وہ مولوی میر حسن شاہ کے پاس گئے اور ان سے یہ بات کہی کہ میں سوچتا ہوں کہ کیوں نہ اقبال کو صرف دینوی تعلیم دی جائے یعنی وہ اسکول کے بجائے مسجد میں دینیات پڑھ لیا کرے۔ مولوی صاحب نے ان کی یہ بات بڑے غور سے سُنی اور بولے "یہ بچّہ مسجد میں پڑھنے کے لیے پیدا نہیں ہوا ہے۔ یہ انگریزی تعلیم حاصل کرے گا۔ آپ اس کو اسکول میں پڑھنے دیجیے۔"

شیخ نور محمد نیک آدمیوں کے مشوروں کو قبول کر لیتے تھے، انھوں نے آپ کی بات مان لی۔ ابھی اقبال اسکول میں ہی پڑھتے تھے کہ انھوں نے شعر کہنے شروع کر دیے۔ اس زمانے میں وہ اردو اور فارسی کے شعرا کا کلام بھی پڑھ رہے تھے۔ مولوی میر حسن شاہ نے انھیں خاص طور پر فارسی کے بڑے شاعروں کا کلام پڑھایا۔ انھوں نے مولوی صاحب سے گلستان، بوستان سکندر نامہ اور انوار سہیلی وغیرہ کتابیں پڑھیں۔ عام طور پر یہ کتابیں فارسی کے طالب علموں کو پڑھائی جاتی ہیں، لیکن مولوی صاحب نے اقبال کو خاص طور پر یہ کتابیں پڑھائیں اور کچھ اس طرح پڑھائیں کہ اقبال کے دل میں فارسی ادب کی عزت پیدا ہوئی اور انھیں فارسی شعر و ادب کی باریکیوں کو سمجھنے کا موقع ملا۔ مولوی میر حسن شاہ شاعر نہ تھے، لیکن وہ شعر و شاعری کی نزاکتوں کو خوب سمجھتے تھے۔ جب مولوی صاحب نے اقبال کے اشعار سنے تو بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اپنے شاگرد کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ اب اقبال کو جب فرصت ملتی تو وہ شعر کہتے۔ اس زمانے میں ہندوستان میں اردو کے مشہور شاعر داغ دہلوی کی بڑی دھوم تھی۔ ان کے بے شمار شاگرد تھے۔ اقبال نے اپنا کلام ان کے پاس اصلاح کے لیے بھیجا۔ داغ نے ان کے کلام کو ضروری اصلاح کے بعد ڈاک کے ذریعہ سے واپس کر دیا اور اس کم عمر شاعر کی بہت ہمت بڑھائی۔

حال آنکہ اقبال کی شاعری کا چرچا دُور دُور تک پھیلنے لگا تھا، لیکن انھوں نے اپنی تعلیم میں ڈھیل نہیں ڈالی۔ انھوں نے انٹرنس کے امتحان میں اعزاز حاصل کیا اور انھیں وظیفہ ملا۔ ان کا یہی اسکول کالج بن گیا اور مولوی میر حسن شاہ کالج میں عربی اور فارسی پڑھانے لگے۔ اقبال نے ان سے عربی اور فارسی میں خاصی لیاقت حاصل کی۔ وہ کالج کے بہترین طالب علم تھے اور انھوں نے انٹرمیڈیٹ کا امتحان بھی اعزاز سے حاصل کیا اور اب انھیں سیال کوٹ چھوڑنا پڑا۔ اور وہ بی۔ اے کرنے کے لیے لاہور چلے گئے۔ انھوں نے لاہور میں گورنمنٹ کالج میں داخلہ لے لیا۔ ان کو اس بات کا بہت غم تھا کہ اب روزانہ مولوی میر حسن شاہ سے پڑھنے کا موقع نہ

ملے گا، لیکن یہاں ان کی ملاقات پروفیسر آرنلڈ سے ہوئی۔ وہ اپنے زمانے کے ایک بڑے فلسفی اور عالم تھے۔ اس سے پہلے وہ علی گڑھ میں بھی اُستاد رہ چکے تھے۔ انھوں نے اقبال کی صلاحیت کو پہچان لیا اور اقبال نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ لاہور میں جب اقبال نے اپنا کلام سُنایا تو انھوں نے لوگوں کے دِلوں کو جیت لیا۔ بڑے بڑے استادوں نے اُن کی شاعری کی تعریف کی۔

لاہور میں اقبال نے بی۔ اے اور ایم۔ اے کے امتحانات بڑے اعزازات کے ساتھ پاس کیے اور ان کا اورینٹل کالج میں فلسفہ کے استاد کی حیثیت سے تقرّر ہوا۔ طالب علمی ہی کے زمانے میں وہ خاصے مشہور ہو گئے تھے۔ ۱۸۹۹ء کی بات ہے کہ انھوں نے انجمن حمایتِ اسلام کے جلسے میں اپنی نظم "نالۂ یتیم" پڑھ کر سنائی۔ اُسے سُن کر لوگوں کا دِل بے چین ہو گیا اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ جس کو دیکھیے وہ رو رہا ہے۔ اب تو ہر طرف اقبال کا چرچا ہونے لگا۔ اسی زمانے میں انھوں نے اپنی مشہور نظمیں "ہمالہ" اور "ہندوستاں ہمارا" لکھیں۔ "ہندوستاں ہمارا" تو گویا غلام ہندُستان کا "قومی ترانہ" بن گیا۔ ملک کے کونے کونے میں گایا جانے لگا۔ شاید ہی کسی ہندُستانی زبان کی کوئی نظم اتنی مشہور ہوئی جتنی اقبال کی یہ نظم "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اس نے لوگوں کے دلوں میں آزادی کی تڑپ پیدا کر دی۔ اس زمانے میں انھوں نے جو شاعری کی اس میں حُب الوطنی کا جذبہ زیادہ حاوی ہے۔ وہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد اور اتفاق چاہتے تھے۔ وہ "ہندوستاں ہمارا" میں کہتے ہیں ؎

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

ان کی زبان میں چاشنی تھی۔ بہت صاف ستھری اور سیدھی سادی تھی۔ اسی زمانے میں انھوں نے مناظرِ فطرت پر بہت خوب صورت نظمیں لکھیں۔

جب اقبال کے اُستاد پروفیسر آرنلڈ انگلستان چلے گئے تو اقبال کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ اعلا تعلیم حاصل کرنے کے لیے یورپ چلے جائیں۔ چناں چہ ۱۹۰۵ء میں وہ بھی یورپ کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں انھوں نے انگلستان کی مشہور یونی ورسٹی کیمبرج یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ کیمبرج یونی ورسٹی میں انھوں نے فلسفے کی اعلا ڈگری لی اور پھر وہاں سے جرمنی چلے گئے۔ جرمنی کی میونخ یونی ورسٹی سے انھوں نے پی ایچ ڈی کی ڈگری لی۔ یہ ڈگری انھیں اپنے مقالے

"ایران میں فلسفہ الٰہیات کا ارتقا" پر ملی۔ پھر وہ برطانیہ چلے گئے اور لندن یونی ورسٹی سے انھوں نے بیرسٹری کا امتحان پاس کیا۔ پروفیسر آرنلڈ لندن یونی ورسٹی میں عربی کے استاد تھے وہ چھٹی پر گئے تو اقبال چھے مہینے تک لندن یونی ورسٹی میں عربی پڑھاتے رہے۔

یورپ میں رہ کر اقبال کی شخصیت میں بڑا نکھار پیدا ہوا۔ عام طور پر جو طالب علم یورپ جاتے تھے وہ اس کی ظاہری چمک دمک سے بہت متاثر ہوتے تھے، لیکن اقبال نے مغربی تہذیب کا کھوکھلا پن دیکھا۔ انھوں نے دیکھا کہ یورپ کے ممالک دنیا بھر کا روپیہ اکٹھا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور ہر ملک اسی کوشش میں ہے کہ وہ اس دوڑ میں آگے نکل جائے۔ یورپ کی صنعتی ترقی نے اسے دیوانہ بنا دیا تھا۔ اس کا پورا فائدہ ان ممالک کے سرمایہ دار اُٹھا رہے تھے اور نام ملک و قوم کا لیتے تھے۔ اقبال نے یہ بھی دیکھا کہ وطن کی اس جھوٹی محبت کے نام پر وہ اپنی جھولی بھر رہے ہیں اور ساری دنیا کے پچھڑے ہوئے ملکوں کے بسنے والوں کو غلام بنا رہے ہیں۔ جیسے ہندوستان میں برطانیہ کی حکومت تھی، انڈونیشیا میں ہالینڈ کی وغیرہ وغیرہ۔

یہ بات حقیقت ہے کہ جب صنعتی ترقی کا دور شروع ہوا تو ایک ملک کا دوسرے ملک سے مقابلہ ہوا۔ یورپ میں اس زمانے میں دو ملک بہت آگے تھے ایک پرتگال اور دوسرا اسپین جب ان میں جھگڑا شروع ہوا تو یہ معاملہ روم کے پوپ کی عدالت میں پیش ہوا۔ پوپ نے گلوب منگوایا۔ بائیں طرف کا حصّہ اسپین کو اور داہنی طرف کا پرتگال کو دے دیا۔

اس کے بعد تو پھر فرانس، ہالینڈ، جرمنی، برطانیہ اور دوسرے ممالک اس دوڑ میں آگئے اور گویا روپیہ کمانے کی دوڑ قوم کے نام پر ہونے لگی۔ یعنی ہر قوم کا سرمایہ دار اپنے ملک کے نام پر روپیہ بٹورنے لگا۔ یورپ کے ممالک چاہتے تھے کہ ایشیا اور افریقہ کے زیادہ تر ملکوں کو اپنا غلام بنا لیں تاکہ انھیں ان ملکوں میں اپنا مال بیچنے میں آسانی ہو۔ علامہ اقبال نے سرمایہ داروں کی اس حرکت کو یورپ میں اچھی طرح سمجھا اور اسی لیے انھوں نے سوچا کہ قومیت کے معنی بدل رہے ہیں اس لیے انھوں نے اپنے خیالات کو اور وسعت دی اور یہ سوچا کہ ہمیں نہ صرف ایک ملک کی بھلائی کی بات کرنا چاہیے بلکہ ہمیں تو تمام دنیا کے بسنے والوں کی بھلائی کا خیال کرنا چاہیے۔ اس لیے انھوں نے اپنی قومی نظمیں لکھنے کے بجائے عام انسان کو اپنا پیغام دیا۔ ان کا پکّا عقیدہ تھا کہ دنیا کو قرآن کی تعلیمات اچھا کر سکتی ہیں اس لیے انھوں نے ساری دنیا کو یہ پیغام سمجھانے کی کوشش کی۔

ایک بات علامہ اقبال نے خاص طور پر محسوس کی کہ مغربی ممالک اور مشرقی ممالک کے سوچنے میں بہت فرق ہو گیا ہے۔ مشرقی ممالک کے لوگ روحانیت کے معاملے میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ مادّی ترقی میں پچھڑ گئے۔ اس کے برخلاف مغربی ممالک مادّیت میں اتنے بڑھے کہ انھوں نے اپنی روحانیت کا گلا گھونٹ دیا۔ اقبال مادّیت اور روحانیت میں ایک قسم کا توازن چاہتے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ مشرقی ممالک کے بسنے والے بھی دنیا کے کاموں میں دلچسپی لیں اور اپنے حالات کو بہتر بنائیں۔ اسی طرح یورپ کے لوگ جو دین سے غافل ہو گئے ہیں اور رُپیہ پیسہ بڑھانے میں لگے ہوئے ہیں، وہ اپنی مادّہ پرستی کو کم کریں اور اس لوٹ کھسوٹ سے باز آئیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہماری یہ زمین خدا کی زمین ہے، کسی ایک آدمی کی نہیں۔ یہ جھگڑا صرف اس لیے ہے کہ ہم اس کو غلطی سے اپنا سمجھ بیٹھے ہیں اور اسی وجہ سے طاقت ور کم زور پر ظلم کرتا ہے۔ انھوں نے اپنی ایک نظم میں مغربی اقوام کو مخاطب کرتے ہوئے لکھا ہے

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمھاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا

جب علامہ اقبال یورپ سے واپس آئے تو اور زیادہ مشرقی تہذیب کے علم بردار ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی اور زیادہ سادہ ہو گئی تھی ان کے رہن سہن میں مشرقیت اور زیادہ نمایاں ہو گئی تھی۔ ان کے خیالات میں اور زیادہ گہرائی پیدا ہو گئی تھی۔

علامہ اقبال جنوری ۱۹۰۸ء میں ولایت سے واپس آئے۔ ان کی شہرت ہندستان میں دُور دُور تک پھیل گئی تھی۔ ان کا بڑا زبردست استقبال ہوا۔

جیسا کہ میں نے پہلے لکھا ہے کہ اب اقبال کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ وہ دنیا کے لوگوں کو پیغامِ حق دیں تو انھیں قرآن کی تعلیمات کا خیال آیا جو کسی ایک قوم کو آگے بڑھانے کی بات نہیں کرتا بلکہ تمام بنی نوع انسان کی نجات کے لیے پیغام دیتا ہے۔ چناں چہ انھوں نے اپنے پیام کی بنیاد ہی قرآن کی تعلیمات پر رکھی۔ انھوں نے سچی اسلامی زندگی پر زور دیا۔ ان کی تعلیمات میں عمل پر بہت زور ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بے عملی سے انسان کی ساری شخصیت ختم ہو جاتی ہے۔

عمل سے وہ اپنی شخصیت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتا ہے۔

اسی لیے ایک مرتبہ انھوں نے کہا "زندگی کی تلخ حقیقتوں کا مردوں کی طرح مقابلہ کرو، اس شترمرغ کی طرح نہیں، جو شکاری کو دیکھ کر ریت میں منھ چھپا لیتا ہے۔"

اقبال کی شاعری میں "خودی" کا لفظ بار بار استعمال ہوا ہے۔ کچھ لوگ یہ سمجھے کہ خودی کے لفظ کو اقبال نے غرور کے معنوں میں استعمال کیا ہے، لیکن اقبال کے یہاں خودی میں ذرا سی بھی غرور کی بُو باس نہیں ہے۔ انھوں نے تو یہ بتایا ہے کہ انسان کو چاہیے کہ اپنے آپ کو پہچانے اور اپنی شخصیت کی گہرائی کو محسوس کرے۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے تو وہ نڈر اور بے باک ہو جاتا ہے۔ مشکلات میں اس کی چھپی ہوئی قوتیں اور زیادہ اُبھر کر سامنے آتی ہیں۔

اقبال نے یہ محسوس کیا کہ انسان نہ صرف یہ کہ اشرف المخلوقات ہے بلکہ اس زمین پر خدا کا نائب ہے، اس لیے اس کی ذمّے داری بھی زیادہ ہے۔ اس ذمّے داری کو پورا کرنے کے لیے انسان کو اپنے آپ کو تیار کرنا چاہیے اور تیار کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی اطاعت کرے اور اس کی عبادت کرے اور اپنی شخصیت میں نظم و ضبط قائم کرے تب ہی وہ اعلا مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔

اقبال کی شاعری کا غیر معمولی اثر پڑا۔ ایک پوری نسل کے سوچنے کا طریقہ بدل گیا۔ اردو اور فارسی جاننے والے تو خاص طور پر بہت متاثر ہوئے۔ ان کی کتابیں گھر گھر پڑھی جانے لگیں۔ انھوں نے اپنی شاعری کے ذریعہ سے ان لوگوں کے سوچنے کے طریقوں کو بدل دیا۔ غلام قوم کے دل میں نہ صرف آزادی کا جذبہ پیدا کیا بلکہ اُن کو بتایا کہ غلام ہونے کے بعد بھی اکثر غلامی کی بُو باس نہیں جاتی۔ اگر ہم اپنی اصلاح خود نہیں کرتے، اگر ہمیں اپنی عزت کا خود احساس نہیں ہے تو آزادی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو بہتر بنائیں۔ ہم کو اللہ تعالیٰ نے جو قوت اور صلاحیت دی ہے اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھائیں۔ علامہ اقبال نے اپنی ایک فارسی کتاب میں ایک چھوٹا سا قصّہ لکھا ہے آپ بھی پڑھیے اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔

"کسی چراگاہ میں بہت سی بھیڑیں رہتی تھیں۔ چوں کہ یہاں بہت چارا تھا، اس لیے ان بھیڑوں کی نسل خوب پھلی پھولی اور ان کی تعداد بہت بڑھ گئی۔ اتفاق

کی بات ہے کہ پاس ہی کے جنگل میں کہیں سے کچھ شیر آکر رہنے لگے۔ انھیں جب بھوک لگتی تو وہ کچھ بھیڑوں کا شکار کر لیتے اور ان کو کھا کر اپنا پیٹ بھرتے۔ بھیڑیں بہت پریشان ہوئیں مگر شیر سے بچنے کی کوئی تدبیر اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔ ایک بوڑھی بھیڑ سب سے زیادہ عقل مند تھی۔ اس کی سمجھ میں ایک ترکیب آگئی۔ اس نے سوچا کہ ان بھیڑوں کو شیر بنانا تو ممکن نہیں، لیکن کوئی ترکیب کرنا چاہیے جس سے کہ شیر اپنی عادتیں چھوڑ دیں۔ پھر ان میں اور شیروں میں کوئی فرق نہ رہے گا۔ چناں چہ اس نے شیروں کے کچھار میں کہنا شروع کیا کہ مجھے خدا نے اپنا پیغام دے کر تمھارے پاس بھیجا ہے اور اگر تم نے میری بات نہ مانی تو تم تباہ و برباد ہو جاؤ گے۔ جو بھیڑوں کو کھا کھا کر زندگی گزارتے ہیں، اُن کی موت قریب ہے۔ اگر ہمیشہ کی زندگی حاصل کرنا چاہتے ہو تو ساگ پات پر گزارا کرو اور اپنے آپ کو مٹا ڈالو، کیوں کہ جنّت میں صرف کم زور ہی جا سکتے ہیں۔"

اس بھیڑیے کے وعظ کا یہ اثر ہوا کہ شیر گھاس پوس کھا کر گزارا کرنے لگے اور جنّت کے خواب دیکھنے لگے۔ آہستہ آہستہ ان کی ہمّت بالکل جواب دے گئی اور ان میں اور بھیڑوں میں کوئی فرق نہ رہا۔

اس قصّے کے ذریعے سے اقبال جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، بڑی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ اقبال نے قرآن کی تعلیمات پر بہت زور دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہے وہ سب انسانوں کے لیے ہے۔ اگر انسان بے عملی کی زندگی گزارے، خود کچھ نہ کرے تو یہ بے عملی اس کے لیے موت کا پیغام ہے۔

علاّمہ اقبال آخری زمانے میں فارسی میں شعر کہنے لگے تھے۔ یہ اور بات ہے کہ کبھی کبھی اردو میں بھی کہہ لیتے تھے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے آخری زمانے کا زیادہ تر کلام فارسی میں ہے۔

علاّمہ اقبال کی زندگی کے آخری سال بیماری میں گزرے۔ یہاں تک کہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو آپ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۶۰ سال ۵ مہینے تھی۔ ان کے جنازے میں تقریباً پچاس ہزار آدمی شریک ہوئے۔ ہندستان کے شہروں اور قصبوں میں جگہ جگہ مہینوں ان کی موت کے سوگ میں جلسے ہوئے۔

اقبال کے شاہین

عبدالغنی شمس

سب سے انوکھے سب سے نرالے
خُود دار و جاں باز ، جیالے
سچائی پر مرنے والے
جُرات مندی ہمارا آئیں
اُونچی اُڑانیں ہم نے پائیں
پاک فضائیں ہم کو بھائیں
سب سے اچھا سال ہمارا
سب پر روشن حال ہمارا
اللہ رے اقبال ہمارا
شاعر بھی وہ راہ نما بھی
قوم کے حق میں بانگِ درا بھی
روحِ چمن بھی ، موجِ صبا بھی
بگڑا ہوا ہر کام بنایا
بیداری کا نغمہ گایا
قرآں کا پیغام سُنایا
کیا بتلائیں کیسا تھا وہ ؟
علم و فن کا دریا تھا وہ
ہر صورت سے یکتا تھا وہ
نقشِ قدم پر اس کے چلیں گے
راہِ حق سے ہم نہ ٹلیں گے
اسلامی سانچے میں ڈھلیں گے

ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں
ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں
ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں
ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں
ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں
ہم سب ہیں اقبال کے شاہیں

توتا کہانی

پروفیسر رشید احمد صدیقی مرحوم

تم جانتے ہو یہ ہرے ہرے توتے باغ کے پھلوں کو کتنا نقصان پہنچاتے ہیں؟ بے چارے باغ کے رکھوالے دن رات ان کو اُڑاتے پھرتے ہیں، لیکن یہ ہیں کہ پھلوں کو برابر کُتر کُتر کر ضائع کرتے رہتے ہیں۔ توتے کی ایک عجیب خاصیت یہ ہے کہ اکثر یہ باغوں میں اُترنے سے پہلے باغ کے باہر کسی بلند درخت یا مقام پر تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ کر پھر باغ پر حملہ کرتے ہیں۔ جیسے دشمن کی فوج قلعے سے باہر رُک کر پہلے یہ دیکھتی ہے کہ قلعے پر کس مقام پر حملہ کیا جائے۔

باغ کے رکھوالے توتوں کی اس خاصیت سے خوب واقف ہوتے ہیں، اس لیے وہ باغ کے چاروں طرف اونچے اونچے بانس گاڑ کر اس کے سروں کو لمبی لمبی رسّی سے باندھ دیتے ہیں۔ رسّی میں پتلے پتلے بانس یا نرکل کے چھوٹے بڑے ٹکڑے پرو دیتے ہیں۔ اس طور پر کہ وہ رسّی پر پھرکی کے طور پر گھوم جایا کریں۔ باغ پر حملہ کرنے والے توتے جیسا کہ ان کی عادت ہے، پہلے اس رسّی میں پروئی ہوئی

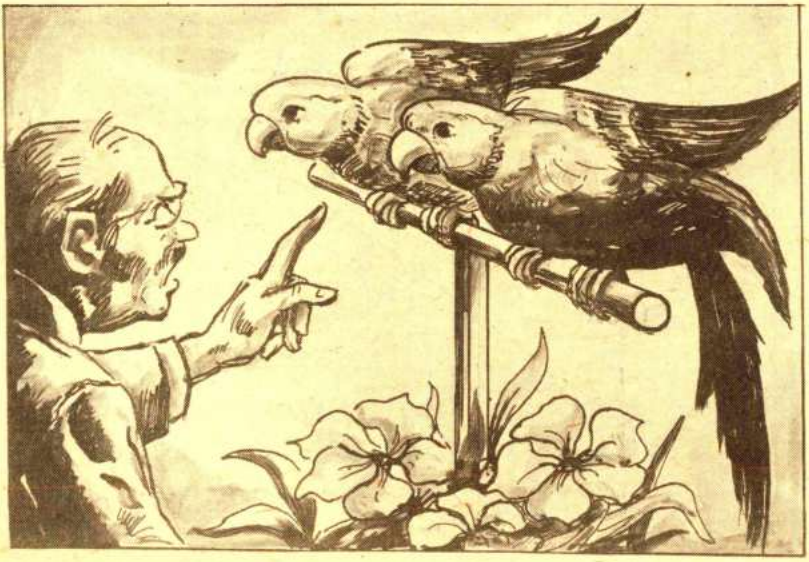

نلکیوں پر بیٹھتے ہیں۔ نلکیاں گھوم جاتی ہیں اور یہ پنجوں سے نلکیوں کو مضبوط تھامے ہوئے خود بھی اُلٹ جاتے ہیں۔ پھر کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے ٹیں ٹیں کر کے سارا باغ سر پر اُٹھا لیں گے، مگر نرکل کو نہیں چھوڑیں گے۔ ان کو شاید یہ خطرہ ہوتا ہے کہ نرکل چھوٹ گیا تو زمین پر گر کر مر جائیں گے، اتنے میں باغ کے رکھوالے آتے ہیں اور رسّی کو نیچا کر کے ان کو پکڑ لیتے ہیں اور ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔

ہوا یوں کہ شہری ماحول سے دُور ایک دن کوئی بھٹکتا ہوا فیلسوف بھی وہاں جا پہنچا۔ جانتے ہو فیلسوف کسے کہتے ہیں۔ عام طور پر فیلسوف کو بہت عقل مند اور بعض لوگ مذاقاً اتنا ہی بڑا بے وقوف سمجھتے ہیں۔ فیلسوف نے یہ حالت دیکھی تو اس کو بڑا رنج ہوا، اس نے سوچا کہ توتے جاہل ہیں اور ان کو اپنی بے وقوفی معلوم ہو جائے تو پھر ان پر یہ آفت نہ آئے گی۔

چناں چہ وہ اپنے گھر آیا اور بہت سارے توتوں کے بچے خریدے اور ان کو تعلیم دینے لگا۔ تم کو تو معلوم ہے توتوں کو جو کچھ پڑھا دیجیے ویسا ہی وہ پڑھنے یاد ہرانے لگتے ہیں۔ فیلسوف نے ان کو یہ سبق یاد کرایا۔

"ہم پُر دار جانور ہیں، شکاری کے نرکل پر کبھی نہ بیٹھیں گے، اگر ہم بیٹھیں گے تو پَر پھڑ پھڑا کر اُڑ جائیں گے۔" توتوں کے بچے پڑھ کر جوان ہوئے اور ان کو یہ سبق خوب ازبر ہو گیا۔ جو لوگ کبھی کبھار فیلسوف کے گھر کی طرف نکل جاتے ہیں تو ان کو فیلسوف اور توتے دیکھ کر پرانے زمانے کے دیہاتی مدرسوں کے مُدرّس اور طالب علم پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے یاد آتے ہیں۔ ایک دن فیلسوف کو خیال آیا کہ اب توتوں کو سبق خوب یاد ہو گیا ہے۔ چناں چہ اس نے ان کو چھوڑ دیا، سارے توتے فیلسوف کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ٹیں ٹیں کرتے اِدھر اُدھر نکل گئے۔

کچھ دن بعد فیلسوف کا گزر اسی باغ کی طرف ہوا جہاں اس نے توتوں کو پہلے گرفتار دیکھا تھا اور توتوں کو تعلیم دینے کا خیال آیا تھا۔ وہاں جا کر کیا دیکھتا ہے کہ اس کے سارے شاگرد توتے رسّیوں میں پروئی نلکیوں سے لٹکے ہوئے ہیں اور چیخ چیخ کر پڑھ رہے ہیں:

"ہم پر دار جانور ہیں شکاری کے نرکل پر کبھی نہ بیٹھیں گے اور اگر بیٹھ گئے تو پَر پھڑ پھڑا کر اُڑ جائیں گے۔"

فیلسوف یہ ماجرا دیکھ کر گھر واپس آیا۔ دوسرے دن لوگوں نے دیکھا کہ فیلسوف بھی ایک رسّی سے لٹکا ہوا ہے، لیکن توتوں کے مانند پاؤں سے نہیں بلکہ آدمیوں کے مانند سر سے۔

حرصو اور رحمو

مناظر صدیقی

بہت دن ہوئے، کسی ملک میں ایک چرواہا رہتا تھا۔ چرواہا بڑا نیک دل تھا۔ اپنے پڑوسیوں اور گاؤں والوں کے کام آتا۔ ان کے دکھ درد میں شریک ہوتا۔ کسی کے ہاں شادی بیاہ کی کوئی تقریب ہوتی تو اس کا ہاتھ بٹاتا۔ دوسروں کی خوشی سے خود خوش ہوتا۔ کسی کو پریشان دیکھتا تو خود بھی پریشان ہوتا کہ اس کی مصیبت کیسے دُور کرے۔ چرواہے کی ان اچھی عادتوں کی وجہ سے گاؤں کا ہر آدمی اُس سے محبت کرتا۔ گاؤں میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں تھا جس نے اپنی بھیڑیں چرانے کے لیے اس چرواہے کے سپرد نہ کر رکھی ہوں۔ چرواہا بھی بڑی ایمان داری اور محنت سے بھیڑیں چراتا تھا۔ سب لوگ خوشی خوشی اس کی محنت سے بھی زیادہ پیسے دے دیتے۔ اس طرح چرواہے کے پاس خود اپنی بھی بہت سی بھیڑیں ہو گئیں۔ گرمیوں کے موسم میں چرواہا اپنی بھیڑوں کے بال کٹوا دیتا۔ یہ اُون اچھی قیمت پر بک جاتا اور اُسے خوب پیسے ملتے۔ اس کی عادت تھی کہ وہ صرف اپنی بھیڑوں ہی کا اون کاٹتا تھا جو بھیڑیں

اُسے چَرانے کے لیے دی جاتیں اُن کے اُون کو امانت سمجھ کر ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ اس کی زندگی ہنسی خوشی گزر رہی تھی۔

چَرواہا جب بوڑھا ہو گیا تو اس نے سوچا کہ اب اُسے اپنا کام اپنے بیٹوں کے سُپرد کر دینا چاہیے۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ان میں سے بڑا بیٹا تو بس ہر وقت تفریح کرتا رہتا، اُسے کسی کام سے کوئی دِل چسپی نہیں تھی۔ البتہ چھوٹا بیٹا اپنے باپ کا ہاتھ بٹاتا تھا۔ چھوٹے بیٹے کا نام رحمو تھا اور بڑے بیٹے کو لوگ حرصو کہتے تھے۔ چرواہے نے حرصو اور رحمو کو بُلا کر کہا کہ وہ بوڑھا ہو چکا ہے اور اس قابل نہیں رہا ہے کہ پہلے کی طرح محنت کیا کرے، اس لیے اب بھیڑیں چَرانے کی ذمّے داری دونوں مِل کر سنبھال لیں۔ حرصو نے تو اپنے باپ کی بات پر کوئی توجہ نہ دی البتہ رحمو نے کہا "بابا، آپ کوئی فکر نہ کریں۔ بس گھر میں آرام کیا کریں۔ آپ کا سارا کام میں سنبھال لوں گا۔"

اب رحمو بھیڑوں کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ گاؤں کے لوگ جس طرح اس کے باپ سے خوش تھے اُسی طرح رحمو سے بھی خوش تھے، کیوں کہ وہ اپنے باپ ہی کی طرح بھیڑوں سے محبّت کرتا اور ایمان داری سے اپنا کام انجام دیتا۔ اسی طرح کچھ دن گزر گئے۔ یہاں تک کہ حرصو اور رحمو کے باپ کی زندگی کے دن پورے ہو گئے۔ وہ انھیں روتا چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے سو گیا۔

باپ کے مرنے کے بعد کچھ دن تو دونوں بھائی بڑے پیار محبّت سے اپنے باپ کے چھوڑے ہوئے مکان میں ساتھ ساتھ رہتے رہے۔ حرصو اپنی عادت کے مطابق دن رات تفریح کرتا رہا اور رحمو بھیڑیں چَراتا رہا، لیکن ایک دن جب مہینا ختم ہونے پر گاؤں والوں نے رحمو کو مہینے بھر کی محنت کے بدلے میں پیسے دیے اور رحمو خوشی خوشی گھر پہنچا تو حرصو نے رحمو سے سارے پیسے چھین لیے۔ حرصو کہنے لگا،

"میں تم سے بڑا ہوں۔ ان تمام چیزوں پر جو بابا نے چھوڑی ہیں، صرف میرا حق ہے، کیوں کہ بڑا بیٹا ہی باپ کا جانشین ہوتا ہے۔ تمھیں نہ تو ان پیسوں کو رکھنے کا حق ہے اور نہ بابا کی چھوڑی ہوئی بھیڑوں میں سے کوئی بھیڑ تمھاری ہے۔"

رحمو تو تھا ہی نیک آدمی اُسے اپنے بھائی سے بھی بڑی محبّت تھی۔ وہ حرصو کی طرح لالچی بھی نہیں تھا۔ اس نے کہا،

"بھائی، میں نے کب ان پیسوں پر اپنا حق جتایا ہے۔ نہ میں نے کسی اور چیز کے متعلق ایسی

کوئی بات کی ہے۔ یہ سب چیزیں آپ ہی کی ہیں۔ میں تو آپ کی خدمت کرکے ہی خوش ہوں۔"

اس گفت گو کے بعد بھی رحمو ہمیشہ کی طرح بھیڑیں چَراتا۔ ان کی بڑی محبّت سے دیکھ بھال کرتا۔ اسی طرح کچھ دن اور گزر گئے۔ یہاں تک کہ گرمیوں کا موسم شروع ہو گیا۔ اس موسم میں بھیڑوں کا اُون کاٹا جاتا تھا۔ رحمو نے ہمیشہ کی طرح اپنی بھیڑوں کا اون کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن جس دن اُسے اُون کاٹنا تھا اُس روز اتفاق سے شہر سے اُون کے کچھ تاجر اُس کے گاؤں میں پہنچے۔ انھیں شاید اُون کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ گاؤں بھر کی بھیڑوں کا اُون وہ خود ہی خرید لیں۔ اس کے لیے وہ بہت زیادہ قیمت بھی دینے کے لیے تیار تھے۔ ان تاجروں کی ملاقات رحمو کے بجائے حرصو سے ہوئی۔ حرصو کو جب یہ معلوم ہوا کہ یہ تاجر اون کی زیادہ قیمت دینے کے لیے تیار ہیں تو وہ زیادہ پیسوں کے لالچ میں تمام بھیڑوں کا اون کاٹنے کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ جب تک اپنی بھیڑوں کا اون کاٹتا رہا، اس وقت تک تو رحمو خاموش رہا، لیکن جب حرصو نے اُن بھیڑوں کا اون بھی کاٹنا شروع کیا جو گاؤں والوں نے صرف چَرانے کے لیے ان دونوں بھائیوں کے سپرد کی تھیں تو رحمو نے کہا:

"بھیّا، یہ پرائی بھیڑیں ہیں، ان کا اون نہ کاٹیے۔ یہ بے ایمانی ہو گی۔"

حرصو نے کہا "واہ کیسی بے ایمانی! بھیڑیں ہمارے پاس ہیں، ہم جو چاہیں کریں۔ دیکھتے نہیں اُون کی کتنی زیادہ قیمت مل رہی ہے۔ اتنے پیسے چھوڑ دینا کہاں کی عقل مندی ہے۔"

رحمو بولا، "بھیا! پیسوں کی خاطر امانت میں خیانت کرنا اچھی بات نہیں۔ اس سے خدا بھی ناراض ہو گا اور گاؤں والے بھی ناراض ہوں گے۔"

حرصو نے ڈانٹ دیا، "اچھا! اچھا! زیادہ باتیں نہ بناؤ۔ گاؤں والے ناراض ہوں گے تو انھیں پیسے دے دیے جائیں گے۔"

بے چارے رحمو کو خاموش ہو جانا پڑا۔ شام ہوئی تو وہ بھیڑیں لے کر گاؤں پہنچا۔ گاؤں والوں نے جب اپنی بھیڑوں کے تمام بال کٹے ہوئے دیکھے تو وہ رحمو پر بہت ناراض ہوئے۔ مجبوراً رحمو کو بتانا پڑا کہ کس طرح حرصو نے اُن کی بھیڑوں کا اون بیچ دیا ہے۔ اب گاؤں والوں نے حرصو کو پکڑا۔ جب وہ لوگ بہت زیادہ ناراض ہوئے تو حرصو نے انھیں تھوڑے سے پیسے دے دیے، لیکن گاؤں والوں کو اندازہ ہو گیا کہ حرصو نے پورے پیسے نہیں دیے ہیں، اس لیے انھوں نے اس کے بعد اپنی بھیڑیں حرصو اور رحمو کے سپرد کرنا بند کر دیں، کیوں کہ وہ سمجھ گئے تھے کہ رحمو تو بے چارہ ایمان دار ہے، لیکن حرصو

بہت لالچی ہے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی کا کہنا نہیں سُنے گا اور آیندہ بھی اسی طرح بے ایمانی کرتا رہے گا۔

حرصو کے پاس اب صرف وہی بھیڑیں رہ گئی تھیں جو اُس کو اپنے باپ سے ورثے میں ملی تھیں۔ بھیڑیں کم ہو جانے کے بعد حرصو کو اب ہر وقت یہ خیال رہتا کہ زیادہ دولت کمانے کے لیے اب کون سے طریقے استعمال کرے۔ وہ اپنی غلطی پر نادم نہیں تھا۔ اُلٹا گاؤں والوں سے ناراض رہتا کہ انھوں نے اپنی بھیڑیں اُن سے واپس کیوں لیں۔ اسی طرح دو تین مہینے گزر گئے۔ اب گرمیوں کا موسم ختم ہونے والا تھا۔ بھیڑوں کے بدن پر کچھ بال اُگ آئے، لیکن ابھی اتنے بڑے نہیں ہوئے تھے کہ سردیوں کے موسم میں بھیڑوں کو سردی سے بچا سکیں۔ انھی دِنوں اُون کے تاجر ایک مرتبہ پھر رحمو اور حرصو کے گاؤں میں پہنچے۔ ان تاجروں کو دیکھ کر حرصو بہت خوش ہوا کہ چلو، اب پھر بھیڑوں کا اُون بک جائے گا۔ اُس نے اُون کاٹنے کے لیے بھیڑیں پکڑنی شروع کیں تو رحمو نے کہا:

"بھیّا، اب اُون نہ کاٹیے۔ سردیاں شروع ہونے والی ہیں اگر بھیڑوں کے بدن پر بال نہ رہے تو یہ سردی سے ٹھٹھر کر مر جائیں گی۔ تھوڑے سے پیسوں کی خاطر ان بے زبان جانوروں پر یہ ظلم نہ کیجیے۔"

حرصو نے کہا: "تم خاموش رہو۔ تمھیں تو کتنے ہی پیسے ملیں تم ہمیشہ انھیں تھوڑے سے پیسے کہتے ہو۔ میں تمھاری بے تُکی باتوں میں آکر اپنی آمدنی نہیں چھوڑ سکتا۔"

"بھیّا، اگر بھیڑیں مر گئیں تو پھر یہ آمدنی کیسے ہو گی؟" رحمو نے کہا۔

"میں نے کہا نا کہ خاموش رہو۔ کوئی بھیڑ اون کاٹنے سے نہیں مرتی۔" حرصو نے جواب دیا۔

رحمو کو ایک بار پھر خاموش ہو جانا پڑا۔ حرصو نے سوچا کہ اُون کا وزن جتنا زیادہ ہو گا اتنے ہی زیادہ پیسے ملیں گے۔ یہ سوچ کر اُس نے رگڑ رگڑ کر بھیڑوں پر اُسترا چلانا شروع کیا، جس کی وجہ سے کئی بھیڑیں زخمی بھی ہو گئیں، لیکن حرصو کو اس کی پروا کب تھی۔ اس نے سارا اون بیچ کر خوب پیسے کما لیے۔

حرصو نے سارے پیسے اپنے پاس جمع کر رکھے تھے۔ وہ اس میں سے بہت کم خرچ کرتا۔ کھانے پینے کے لیے ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے بھی بڑی مشکل ہی سے خرچ کرتا۔ رحمو بے چارہ یہ حالت دیکھ دیکھ کر دِل ہی دل میں کُڑھتا رہتا۔ اِدھر جو بھیڑیں زخمی ہو گئی تھیں وہ بھی شاید حرصو کے ظلم سے تنگ آچکی تھیں۔ اب سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا، لیکن حرصو نے بھیڑوں کو سردی سے بچانے کی

کوئی کوشش نہیں کی۔ اُسے بھیڑوں کو زندہ اور تن درست رکھنے کی کوئی فکر ہی نہیں تھی۔ رحمو بھیڑوں کو دانہ پانی دیتا تو بھی حرصو اس پر غصّہ کرتا کہ ان کے لیے دانہ خریدنے پر پیسے خرچ کرنے پڑتے ہیں، اس لیے انھیں دانہ نہ دیا جائے جب رحمو نے حرصو کی یہ بات نہیں سُنی تو اس نے رحمو کو منع کر دیا کہ آیندہ کبھی بھیڑوں کے قریب بھی نہ جائے۔ بھیڑیں بھوکی رہنے لگیں تو انھوں نے ایک ایک کر کے بھاگنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے ہی دِنوں بعد رحمو اور حرصو کے پاس ایک بھی بھیڑ باقی نہیں رہی۔ رحمو کو تو اس بات کا بڑا دکھ تھا، لیکن حرصو کو صرف یہ فکر تھی کہ اب وہ دولت مند کیسے بنے گا۔

حرصو کی کنجوسی کی وجہ سے گھر میں اکثر کھانا بھی نہیں پکتا تھا۔ ان کے دن بڑی پریشانی اور مصیبت میں گزرنے لگے یہاں تک کہ ایک مرتبہ پھر گرمیوں کا موسم شروع ہو گیا۔ حرصو نے سوچا کہ وہ مزدوری کے طور پر گاؤں والوں کی بھیڑوں کا اُون کاٹے تاکہ اُسے پیسے ملیں، لیکن ایک تو وہ بہت زیادہ مزدوری مانگتا، دوسرے گاؤں والوں کو یہ معلوم ہی تھا کہ حرصو اون اس طرح کاٹتا ہے کہ بھیڑیں زخمی ہو جاتی ہیں، اس لیے وہ حرصو سے یہ کام نہیں لیتے۔ کچھ لوگوں نے رحمو سے یہ کام لینا شروع کیا تو حرصو رحمو سے بھی لڑنے لگا اور گاؤں والوں سے بھی۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ بڑا بھائی ہے، اس لیے کام اُسی کو ملنا چاہیے۔ اگر رحمو سے کام لیا بھی جائے تو مزدوری حرصو کو دی جائے، لیکن گاؤں والے اس بات کے لیے تیار نہیں تھے کہ کام کسی سے لیں اور پیسے کسی دوسرے کو دیں۔ حرصو کے لڑائی جھگڑے سے تنگ آ کر گاؤں والوں نے رحمو سے بھی کام لینا چھوڑ دیا۔ جب آمدنی بالکل ختم ہو گئی تو انھیں فاقے کرنے پڑے۔ تنگ آ کر ایک دن رحمو نے کہا:

"بھیّا، آپ کے لالچ نے تو ہمیں گاؤں بھر میں بدنام کر دیا ہے۔ بابا کی چھوڑی ہوئی بھیڑیں بھاگ گئیں۔ اب تو ہمیں یہاں کوئی مزدوری بھی نہیں دیتا۔ آخر ہم کب تک اس طرح بھوکے مرتے رہیں گے؟ میں اب یہ گاؤں چھوڑ کر کسی اور جگہ جاؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ کسی دوسرے گاؤں میں کوئی شخص مجھے بھیڑیں چرانے کے لیے نوکر رکھ لے۔"

رحمو کی بات سُن کر حرصو کو خیال آیا کہ اگر رحمو کسی دوسرے گاؤں میں پہنچ گیا تو اسے واقعی نوکری مل جائے گی، پھر اسے جو پیسے ملیں گے وہ سب اس کے پاس رہیں گے۔ میرے پاس نہیں آئیں گے۔ وہ لالچی تو تھا ہی یہ کیسے برداشت کرتا کہ اُسے پیسے نہ ملیں اور صرف رحمو ہی آرام سے

زندگی گزارے۔ اُس نے یہ سوچ کر کہا:

"تم اکیلے نہیں جاؤ گے۔ میں بھی تمھارے ساتھ چلوں گا۔ جو بھی نوکری ملے گی اس میں ہم دونوں برابر کے حصّے دار ہوں گے۔"

رحمو کو اپنے بھائی سے بڑی محبّت تھی، وہ اس پر بھی تیار ہو گیا کہ حرصو اس کے ساتھ چلے چناں چہ وہ دونوں اپنے مکان میں تالا لگا کر نوکری کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ گاؤں میں جس کسی نے بھی انھیں جاتے ہوئے دیکھا اُس نے ان کا مذاق اُڑایا کہ جو لوگ اپنی بھیڑیں ہی بچا کر نہیں رکھ سکے وہ دوسروں کی بھیڑیں کیسے چرائیں گے۔

دوپہر ہوتے ہوتے وہ دونوں ایک پہاڑ تک پہنچ گئے۔ گاؤں سے آنے والا راستہ یہاں ختم ہو گیا تھا۔ اب آگے جانے کے لیے انھیں پہاڑ پر چڑھنا تھا۔ وہ جب پہاڑ پر پہنچے تو بہت تھک چکے تھے۔ اس وقت انھیں دو تین سفید بھیڑیں سامنے سے جاتی ہوئی نظر آئیں، لیکن تھکن کی وجہ سے ان میں اتنی ہمّت بھی نہیں تھی کہ وہ نظر بھر کر ان بھیڑوں کو دیکھ ہی لیتے تاکہ یہ اندازہ کر سکتے کہ وہ کس طرف گئی ہیں اور آبادی کس طرف ہو گی۔ وہ دونوں ایک پتھر پر ٹک کر بیٹھ گئے۔ اس پتھر پر بیٹھے انھیں زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ انھوں نے بانسری کی آوازیں سُنیں۔ انھیں ایسا معلوم ہوا جیسے سیکڑوں چرواہے مل کر ایک ساتھ اپنی اپنی بانسریاں بجا رہے ہیں۔ آوازیں زیادہ دُور کی بھی نہیں معلوم ہوتی تھیں۔ رحمو نے آوازوں پر غور کیا اور ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہنے لگا کہ آوازیں اسی سمت سے آ رہی ہیں۔ ہمیں بھی اسی سمت چلنا چاہیے۔ پھر تھوڑی دیر آرام کرنے کے بعد وہ ان آوازوں کی سمت روانہ ہو گئے۔ یوں تو آوازیں بہت قریب کی معلوم ہوتی تھیں، لیکن شام تک چلتے رہنے کے باوجود وہ صرف بانسریوں کی آوازیں ہی سنتے رہے۔ انھیں نہ تو کوئی چرواہا نظر آیا اور نہ کہیں کوئی بھیڑ بکری نظر آئی۔ انھیں تو راستے میں کوئی پرندہ بھی اُڑتا ہوا دِکھائی نہ دیا۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کا وقت بالکل ہی قریب آ گیا تب کہیں جا کر رحمو کو ہی سب سے پہلے سفید سفید بھیڑیں نظر آئیں۔ برف کے گالوں کی طرح سفید سفید سیکڑوں بھیڑیں ان کے سامنے تھیں۔ ان بھیڑوں کے درمیان ایک بوڑھا چرواہا اپنی دُھن میں مگن بانسری بجا رہا تھا۔ اس کی آواز پہاڑوں میں اس طرح گونج رہی تھی جیسے سیکڑوں بانسریاں بج رہی ہوں۔ وہ دونوں اس چرواہے کے قریب پہنچے اور رحمو نے چرواہے کو مخاطب کیا، "بابا جی سلام!"

"جیتے رہو بیٹا۔" بوڑھے نے بانسری بجانا بند کر کے اُنھیں دعا دی۔

"باباجی! یہ کون سی جگہ ہے؟ کیا یہاں کہیں ہمیں نوکری مل سکتی ہے۔ ہم دونوں بھائی چَرواہے ہیں۔ بھیڑوں کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔ ہماری اپنی بھیڑیں تو خیر باقی نہیں رہیں، لیکن ہم دوسروں کی بھیڑوں کی اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں۔" رحمو نے کہا۔

"یہ پہاڑی چَراگاہ ہے اور میں پُرانے زمانے کا چرواہا ہوں۔ میری بھیڑیں کبھی غائب نہیں ہوتیں۔" بوڑھے نے کہا۔

بوڑھا اتنی محبّت سے باتیں کر رہا تھا کہ اب حرصو کی بھی کچھ ہمّت بندھی۔ اُس نے بوڑھے سے کہا۔

"اچھے بابا! میں بھیڑوں کا اُون کاٹنا جانتا ہوں اور اس طرح ان کے بال کاٹتا ہوں کہ اگر آپ کو دھاگے کے طور پر بھی بال کی ضرورت ہو تو وہ بھی آپ کو بھیڑ کے بدن سے نہیں مل سکے گا۔ اس پورے علاقے میں بھیڑوں کے بال اُتارنے والا مجھ سے اچھا کوئی آدمی نہیں ملے گا۔"

بوڑھے نے کہا، "خوب! تم میرے کام کے آدمی ہو۔ جب چاند نکلے گا تو میں تمھیں اپنی بھیڑوں کے بال کاٹنے کے لیے بلاؤں گا۔"

سورج غروب ہونے کے بعد جب چاند نکلا تو بوڑھے چَرواہے نے حرصو کو آواز دی کہ وہ

آکر بھیڑوں کے بال کاٹے۔ حرصو اپنی قینچی اور اُسترا لے کر بال کاٹنے کے لیے آگے بڑھا۔ اُسی وقت نہ جانے کہاں سے بھیڑیوں کا ایک غول شور مچاتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ ان بھیڑیوں کے بال اتنے لمبے تھے کہ ان کی آنکھیں بھی مشکل ہی سے نظر آتی تھیں۔ البتہ جب وہ منہ کھولتے تو ان کے خوف ناک لمبے لمبے چمک دار دانت ضرور دکھائی دیتے۔ بھیڑیوں کو دیکھ کر حرصو کو بہت ڈر لگا۔ وہ جانتا تھا کہ بھیڑیا بڑا خوف ناک جانور ہوتا ہے۔ دیکھنے میں تو کسی بڑے کتے کی طرح نظر آتا ہے، لیکن انسانوں کو پھاڑ کھانا اس کی عادت ہوتی ہے۔ ان بھیڑیوں کو دیکھ کر حرصو نے بھاگنا چاہا، لیکن بھیڑیوں نے اُسے گھیر لیا۔ وہ بوڑھے چَرواہے کے قریب حرصو کو گھیرے کھڑے تھے۔ اسی وقت بوڑھے چَرواہے نے کہا،

"یہی تو میری اصلی بھیڑیں ہیں۔ ان کے بال کاٹو۔"

بوڑھے چَرواہے کا حکم سُن کر حرصو بڑی ہمت کر کے آگے بڑھا، لیکن جیسے ہی وہ سب سے قریب کھڑے ہوئے بھیڑیے کی طرف بڑھا۔ بھیڑیے نے غُرّا کر دانت نکالے۔ جیسے وہ حرصو کو پھاڑ کھانا چاہتا ہو۔ حرصو یہ حال دیکھ کر ڈر گیا۔ اپنا استرا اور قینچی پھینک کر وہ جان بچانے کے لیے بوڑھے کے پیچھے چھپ گیا اور کہنے لگا،

"بابا! میں بھیڑوں کے بال کاٹتا ہوں بھیڑیوں کے نہیں۔"

"ان کے بال تو تمھیں کاٹنے ہوں گے، ورنہ اپنے گاؤں لوٹ جاؤ۔ یہ بھیڑیے بھی تمھارے پیچھے جائیں گے۔ البتہ تم میں سے جو کوئی ان کے بال کاٹے گا وہ میری ان بھیڑوں کے پورے گلّے اور ان کے تمام اون کا مالک ہو گا۔"

بوڑھے چَرواہے کی بات سُن کر اب رحمو آگے بڑھا اس نے اپنے بھائی کا پھینکا ہوا اُسترا اور قینچی سنبھالی۔ اُسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ بھیڑیا اس طرح خاموش کھڑا ہے جیسے وہ بھیڑیا نہیں بھیڑ ہو۔ رحمو نے اس کے بال کاٹے، لیکن اس طرح نہیں کہ بھیڑیے کی کھال بھی کٹ جائے۔ جب ایک بھیڑیے کے بال کٹ گئے تو دوسرا بھیڑیا خود بہ خود آگے آ گیا۔ اس طرح رحمو نے تمام بھیڑیوں کے بال کاٹے۔ جب وہ بال کاٹ چکا تو بوڑھے نے کہا،

"یہ سب بال اور بھیڑیے تمھارے ہیں، انھیں اپنے ساتھ لے جاؤ اور اپنے بھائی کو بھی لے جاؤ تاکہ وہ ان کی خدمت کرے۔"

رحمو نے بال تو سمیٹ لیے، لیکن اُسے بھیڑیے پالنا پسند نہیں تھا۔ وہ بابا سے کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ اس کی نظر بھیڑیوں پر پڑی، تو کیا دیکھتا ہے کہ دراصل وہ بھیڑیے نہیں تھے بلکہ اس کی اپنی بھیڑیں تھیں جو حرصو کے لالچ اور ظلم سے تنگ آ کر بھاگ گئی تھیں اور جنگل میں ان کے بال اتنے بڑھ گئے تھے کہ وہ بھیڑیے معلوم ہونے لگی تھیں۔ بھیڑوں نے حرصو اور رحمو دونوں کو پہچان لیا تھا، اسی لیے وہ حرصو کے قبضے میں نہیں آئیں، مگر رحمو کے سامنے سر جھکا دیا۔

بوڑھے چرواہے نے رحمو کو اپنے کندھے کی چادر اُتار کر دی کہ وہ اس میں تمام اون باندھ لے۔ رحمو نے اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے چادر میں اون باندھ لیا اور اپنے گاؤں لوٹ آیا۔ حرصو بھی اس کے ساتھ تھا۔ اس کے بعد حرصو اور رحمو دونوں مل کر بھیڑیں پالتے رہے۔ البتہ حرصو کا لالچ ختم ہو گیا۔ بعد میں اُس نے کبھی بھیڑوں کا اون نہیں کاٹا۔ یہ کام صرف رحمو ہی کیا کرتا تھا۔ اب انھیں گاؤں والوں نے بھی اپنی بھیڑیں چرانے کی ذمّے داری دوبارہ دے دی تھی۔

---

* دنیا میں ایک پاؤں پر مسلسل ۳۳ گھنٹے کھڑے رہنے کا رکارڈ سری لنکا کے دارالحکومت کولمبو کے وی۔ ایس کمار آنندن نے قائم کیا۔ وہ ۱۵۔ مئی سے ۱۷۔ مئی ۱۹۸۰ء تک مسلسل ایک پاؤں پر کھڑا رہا۔ اس دوران اس نے توازن قائم رکھنے کے لیے کوئی سہارا بھی نہیں لیا۔

مناسب احتیاط اور سُعالین کے بروقت استعمال سے
ان تکالیف کا تدارک کیا جاسکتا ہے۔ جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ
سُعالین نزلہ، زکام اور کھانسی کا مفید علاج بھی ہے
اور اُن سے بچاؤ کی تدبیر بھی۔

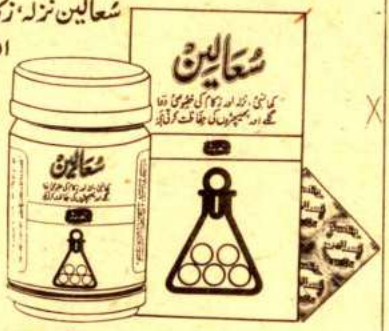

سُعالین

نزلہ، زکام اور کھانسی کی مفید دوا

ہمدرد

نوزو
ناک پھوار
ناک کے ورم،
سوزش اور بندش
کے لیے مفید۔
ایک پھوار ناک

پاک بھارت کرکٹ ایک نظر میں

پاکستان اور بھارت جب بھی ایک دوسرے کے خلاف کرکٹ کھیلتے ہیں تو بڑے دل چسپ مقابلے دیکھنے میں آتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے باشندے ان مقابلوں میں گہری دِل چسپی لیتے ہیں، دونوں ملکوں کی ٹیمیں تقریباً برابر کی قوت رکھتی ہیں اور ایک دوسرے کو ہرانے کی سَر توڑ کوشش کرتی ہیں۔

دنیا بھر میں دو سو سال سے کرکٹ کھیلی جا رہی ہے۔ جو ممالک سرگرمی سے کرکٹ کھیلتے ہیں اُن میں انگلستان، اوسٹریلیا، ویسٹ انڈیز، پاکستان، ہندُستان، نیوزی لینڈ اور سری لنکا شامل ہیں۔ انگلستان کو ایک لحاظ سے اس کھیل کا بانی قرار دیا جا سکتا ہے۔ انگریز جب برصغیر پر حکومت کرنے آئے تھے تو انھوں نے ہی یہاں کرکٹ کی ابتدا کی تھی۔ آج پاکستان اور ہندُستان دونوں ملکوں میں یہ کھیل بے حد ذوق و شوق سے کھیلا جاتا ہے۔

اگست ۱۹۴۷ء میں جیسے ہی پاکستان ہندُستان آزاد ہوئے دونوں جگہ کرکٹ کی اچھی ٹیمیں بن گئیں۔ لیکن دونوں ملکوں کے درمیان پاکستان بننے کے پانچ سال بعد کرکٹ کھیلنے کی ابتدا اُس وقت ہوئی جب

پاکستانی کرکٹ ٹیم ۵۳-۱۹۵۲ء میں بھارت کے دورے پر گئی، جہاں اس نے پانچ ٹیسٹ میچ کھیلے۔ پاکستانی ٹیم کی کپتانی عبدالحفیظ کاردار اور بھارتی ٹیم کی کپتانی ونو منکڈ کر رہے تھے۔ یہ سیریز پاکستان ۱-۲ سے ہار گیا، کیوں کہ اس سیریز میں پاکستان نے ایک جب کہ بھارت نے دو ٹیسٹ جیتے۔ ان کے علاوہ دو ٹیسٹ ہار جیت کے بغیر ختم ہو گئے۔

پاکستان نے اس سیریز میں جو واحد ٹیسٹ میچ جیتا وہ لکھنؤ میں کھیلا گیا تھا۔ اس ٹیسٹ میچ کے ہیرو فضل محمود تھے جنھوں نے پہلی اننگز میں ۵۲ رنز دے کر پانچ وکٹیں اور دوسری اننگز میں ۴۲ رنز دے کر سات وکٹیں لیں۔

یہ پاک بھارت کرکٹ کی تاریخ میں پاکستان کی پہلی کامیابی تھی۔ اس کے جواب میں بھارتی ٹیم نے ۵۵-۱۹۵۴ء میں پاکستان کا دورہ کیا۔ یہ سیریز اس اعتبار سے روکھی پھیکی رہی کہ پانچوں ٹیسٹ میچ ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہو گئے۔ اس وقت بھی پاکستانی ٹیم کے کپتان عبدالحفیظ کاردار تھے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان تیسری ٹیسٹ سیریز ۶۱-۱۹۶۰ء میں کھیلی گئی۔ اس مرتبہ پاکستانی ٹیم کے کپتان فضل محمود اور بھارت کی ٹیم کے کپتان نری کنٹریکٹر تھے۔ اس بار بھی پانچوں کے پانچوں ٹیسٹ میچ برابر رہے۔

اس کے بعد دونوں ملکوں کی آپس کی کرکٹ میں اٹھارہ سال کا وقفہ آتا ہے۔ پاکستان ہندوستان اس اعتبار سے دنیا کے انوکھے ممالک ہیں کہ دونوں ۱۸ سال تک ایک دوسرے سے ناراض رہے اور ایک دوسرے کے ہاں کرکٹ کھیلنے تک نہیں گئے۔

اس اعتبار سے ۷۹-۱۹۷۸ء کے کرکٹ سیزن کو پاک بھارت کرکٹ کی تاریخ کا ایک اہم موڑ کہہ سکتے ہیں جب بھارت کی ٹیم لگ بھگ ۱۸ سال بعد بشن سنگھ بیدی کی قیادت میں پاکستان کے دورے پر آئی۔ اس بار پاکستان نے مشتاق محمد کی کپتانی میں تین ٹیسٹ میچ اور تین ایک روزہ میچ کھیلے۔ پاکستان نے یہ ٹیسٹ سیریز بڑے شان دار انداز میں ۲-۰ سے جیت لی، جب کہ ایک روزہ میچوں میں پاکستان ۲-۱ سے جیت گیا۔

جواب میں ایک سال بعد پاکستانی ٹیم نے بھارت کا دورہ کیا اور بھارت نے صفر کے مقابلے میں دو ٹیسٹ میچ جیت کر اپنی پچھلی ناکامی کا بدلہ لے لیا۔ اس دورے میں مشتاق کی جگہ آصف اقبال

نے پاکستانی ٹیم کی کپتانی کی۔ بھارت کی طرف سے بشن سنگھ بیدی کی جگہ بھارت کے نام ور بیٹس مین سُنیل گواسکر نے کپتانی کے فرائض ادا کیے۔

پھر اس کے بعد بھارتی ٹیم کو ۱۹۸۲ء میں سنیل گواسکر کی قیادت میں پاکستان آنے کا موقع ملا، مگر اس بار بھارتی ٹیم عمران خان کی تیز رفتار بولنگ کا سامنا نہ کر سکی اور بُری طرح ہار گئی۔ اس شکست کے بعد گواسکر بھی کپتانی سے ہٹا دیے گئے اور کپل دیو کپتان بن گئے۔

اس کے بعد ۱۹۸۳ء میں پاکستانی کرکٹ ٹیم تین ٹیسٹ میچوں کی سیریز کھیلنے بھارت گئی تو بیمار اور زخمی ہونے کی وجہ سے عمران خان ٹیم کے ساتھ نہیں گئے اور ظہیر عباس نے کپتانی کی۔ انھوں نے کوئی خطرہ مول نہیں لیا۔ بڑی احتیاط سے تمام فیصلے کیے اور اس طرح سیریز کو برابر کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

اس طرح اب تک پاکستان اور بھارت کے درمیان سات ٹیسٹ سیریز کھیلی جا چکی ہیں، جن میں سے دو پاکستان نے اور دو بھارت نے جیتی ہیں۔ باقی تین ہار جیت کے فیصلے کے بغیر ختم ہوئی ہیں۔

جو بھارتی ٹیم پاکستان کے دورے پر آئی ہے وہ مندرجہ ذیل کھلاڑیوں پر مشتمل ہے :

بھارت کے بہترین آل راؤنڈر کپل دیو

بھارت کے مایۂ ناز بیٹس مین مہندر امرناتھ ورلڈ کپ کے ساتھ۔
کیا ایسی کامیابی انھیں دوبارہ مل سکتی ہے؟

سنیل گواسکر (کپتان)، کپل دیو، روی شاستری، دلیپ وینگسرکار، سریندر کھنہ، غلام پارکر، سندیپ پاٹیل، مہندر امرناتھ، چیتن شرما، روجر بنی، مدن لال، منیندر سنگھ، شولال یادیو، بلوندر سنگھ، ساندھو اور کرمانی۔

پاکستان کی قومی کرکٹ ٹیم مندرجہ ذیل کھلاڑیوں میں سے چُنی گئی ہے: ظہیر عباس (کپتان)، مدثر نذر، محسن حسن خان، شعیب محمد، قاسم عمر، جاوید میاں داد، سلیم ملک، سرفراز نواز، سلیم یوسف، انیل دلپت، منیر راجا، عظیم حفیظ، محسن کمال، عبدالقادر اور توصیف احمد۔

سنیل گواسکر کو ایک مرتبہ پھر بھارتی ٹیم کا کپتان بنا دیا گیا ہے۔ وہ دنیا کے بہترین بیٹس مینوں میں سے ہیں۔ انھوں نے دنیا بھر میں ٹیسٹ کرکٹ میں سب سے زیادہ رنز بنائے ہیں اور سب سے زیادہ سنچریاں اسکور کی ہیں۔ انھوں نے آسٹریلیا کے مانے ہوئے بیٹس مین ڈون بریڈمین کا ۲۹ سنچریوں کا رکارڈ توڑا ہے، جو اپنی جگہ ایک بڑا کارنامہ ہے اور ابھی کیا ابھی تو گواسکر نجانے کتنی سنچریاں اور بنائیں گے اور اس شان سے رخصت ہوں گے کہ شاید ہی کوئی ان کا رکارڈ توڑ سکے گا، لیکن پاکستان میں ان کی بیٹنگ کی نہیں بلکہ کپتانی کی آزمائش ہوگی۔

گواسکر کے مقابلے پر پاکستان کے کپتان ظہیر عباس ہیں۔ ان کا شمار پاکستان کے مانے ہوئے بیٹس مینوں میں ہوتا ہے۔ ان کی عمر ۳۷ سال ہے اور وہ پاکستان کے سو ٹیسٹ کرکٹرز میں واحد کھلاڑی ہیں جو اس عمر میں بھی ٹیسٹ کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ ان کے کھیل میں اُتار چڑھاؤ آتا رہا ہے۔ کبھی دو دو سو رنز کرتے ہیں تو کبھی صفر پر آؤٹ ہو جاتے ہیں۔ ان کے کھیل میں پہلے جیسی بات نہیں رہی، پھر بھی وہ اچھا خاصا کھیل رہے ہیں۔ پچھلے سترہ میچوں میں انھوں نے ڈیڑھ ہزار سے زیادہ رنز بنائے ہیں، جس کا مطلب ہے اوسطاً فی میچ ۸۱ رنز اسکور کیے ہیں۔ یہ کارکردگی چونکا دینے والی ہے۔ ان کے اس اسکور میں دو ڈبل سنچریاں اور تین سنچریاں شامل ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ وہ سنگل اور ڈبل سنچریوں کے شوقین ہیں۔ پچاس رنز سے آگے نکل جائیں تو سنچری یا ڈبل سنچری پر جا کر تھمتے ہیں۔

ظہیر عباس کو موجودہ سیریز میں بھی زیادہ سے زیادہ رنز بنانے ہیں، لیکن لوگ ان کی بیٹنگ کے ساتھ ساتھ یہ دیکھنے کے لیے بے چین ہیں کہ وہ کپتانی کیسی کرتے ہیں۔ میاں ظہیر، کچھ کر کے دکھاؤ۔ بڑوں کے ساتھ ساتھ بچے بھی تمھارے لیے بہت ساری نیک تمنائیں رکھتے ہیں۔

سلسلے وار کہانی
قسط چہارم

چالاک خرگوش

کرشن چندر

گدھ کے منھ میں پانی بھر آیا۔ پھر وہ کئی دن سے بھوکا بھی تھا۔ اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے جلدی سے کہا، "دیکھو میں گدھ ہوں۔ اب تم جلدی سے اپنا کام شروع کر دو۔ میں تنے کے اس طرف دوسرے سوراخ پر جاتا ہوں۔ تم ادھر سے گلہریوں کو مار بھگاؤ۔ میں اُدھر سے انھیں پکڑ لوں گا۔"

"بے شک بے شک گدھ بھائی! ایسا ہی ہوگا۔ تم اُدھر جاؤ تو پھر دیکھو کتنی گلہریاں تمھیں کھانے کو ملتی ہیں۔"

گدھ اپنے بے ڈھنگے پاؤں سے آہستہ آہستہ چلتا ہوا تنے کے دوسری طرف گیا جدھر خرگوش نے دوسرا سوراخ بتایا تھا، مگر اسے دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ اس طرف درخت کے تنے میں کوئی سوراخ نہ تھا۔ وہ گھبرا کے جو پلٹا تو کیا دیکھتا ہے کہ خرگوش ہنستا ہوا دُور سڑک پر چھلانگیں لگاتا ہوا جا رہا ہے۔

"گلہریاں کہاں ہیں؟" گدھ نے بڑی مایوسی سے پوچھا۔

"بھاگ گئیں۔" خرگوش نے قہقہہ مار کر کہا اور جنگل میں غائب ہو گیا۔ گدھ اپنی حماقت پر بڑا شرمندہ ہوا۔ اسے خرگوش پر بھی غصّہ آیا، مگر خرگوش نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ وہ اپنا غصّہ کسی پر نکالنا چاہتا تھا۔ اس لیے لومڑ کے آنے تک وہیں سوراخ کے سامنے بیٹھا رہا اور جب لومڑ کلہاڑی لے کر گھر سے آیا اور اس نے گدھ سے پوچھا، سب خیریت ہے، تو گدھ نے اسے سچ سچ نہیں بتایا بلکہ کہا، ہاں سب خیریت ہے، خرگوش ابھی تک سوراخ کے اندر ہے۔ مگر چوں کہ اب اندر سے کوئی آواز نہیں آتی اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ خرگوش تنے کے اندر سو رہا ہے۔

لومڑ نے طنزیہ ہنسی ہنستے ہوئے کہا، "میں اسے اس کے خواب سے جگا دوں گا۔" اتنا کہہ کر لومڑ نے درخت کے تنے پر زور سے کلہاڑا چلایا۔ درخت کا تنا بڑا مضبوط تھا اور اس کے سوراخ کو بڑا کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ پھر بھی لومڑ بڑی تن دہی سے اپنے کام میں جُتا رہا۔ جونہی وہ کلہاڑا زور سے مارتا

گدھ اس کی ہمت بڑھانے کو کہتا، شاباش لومڑ میاں، کلہاڑی زور سے مارو۔ کم بخت خرگوش اسی سوراخ کے اندر ہے۔ میں جانتا ہوں وہ اسی سوراخ کے اندر ہے۔ کلہاڑی چلاتے چلاتے لومڑ کا دم پھول گیا اور گدھ اسے شاباشی دیتا رہا۔ جب سوراخ کافی بڑا ہو گیا اور لومڑ دیکھنے کے لیے آگے بڑھا تو پیچھے سے اس نے کسی کی ہنسی کی آواز سنی۔ اس نے دیکھا گدھ اس پر ہنس رہا ہے اور جب لومڑ نے سوراخ میں تھوتھنی ڈال کے دیکھا کہ خرگوش غائب ہے تو اسے یہ بھی پتا چل گیا کہ گدھ اس پر ہی ہنس رہا تھا۔ اسے گدھ پر بڑا غصہ آیا کہ جب اسے معلوم تھا کہ سوراخ کے اندر خرگوش نہیں ہے تو اس نے کیوں اس سے بے کار اتنی محنت کرائی۔ مگر لومڑ نے گدھ سے کچھ نہیں کہا۔ اس نے چپکے سے

لڑکیاں خرگوش کا استقبال کرنے کے لیے باہر آگئیں۔

تھوتھنی ڈال کے سوراخ میں دیکھا اور خوشی سے چلّا کر بولا، "آہا، کتنی موٹی تازی گلہریاں ہیں۔"

"کہاں؟ کہاں؟" گدھ سب کچھ بھول کے سوراخ کے بالکل قریب آگیا۔ اس کے قریب آتے ہی لومڑ نے گدھ کو پکڑ لیا اور ان میں لڑائی ہونے لگی۔ "خبیث تُو نے مجھے بے وقوف بنایا۔ دیکھ اب میں تیری جان کیسے نکال دیتا ہوں۔" لومڑ غصّے سے چلّایا۔ گدھ نے اپنے پَر پھڑپھڑائے۔ لومڑ کی گرفت سے نکلنے کی بہت کوشش کی، مگر لومڑ نے اسے گردن سے پکڑ لیا تھا اور زور زور سے اس کی گردن دبا رہا تھا۔ اور گردن دباتے ہوئے اسے اپنی تھوتھنی کے قریب لا رہا تھا۔ جب گدھ کو وہ بالکل اپنے منھ کے قریب لے آیا تو گدھ نے ایک آخری کوشش سے اپنی جان بچانے کی کوشش کی اور وہ بڑی مشکل سے اپنی تیز چونچ سے لومڑ کی ناک پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ اب تو لومڑ نے گھبرا کے گدھ کی گردن کو چھوڑ

دیا اور اسی وقت گدھ اپنے پَر پھیلا کر اوپر آسمان کی طرف اُڑ گیا، مگر اس لڑائی میں گدھ کی گردن کے پَر لومڑ کے ہاتھوں میں رہ گئے۔ جب سے تم دیکھو گے کہ گدھ کی گردن پر پَر نہیں ہوتے ہیں۔ اس دن کی لڑائی کے بعد سے گدھ کے سارے جسم پر تو پَر باقی رہ گئے، مگر گردن کے پَر اُڑ گئے اور اس دن سے گدھ کی گردن ننگی ہے۔

سنپا کی سال گرہ تھی۔ اس موقع پر خرگوش کو بھی دعوت دی گئی تھی۔ آج صبح ہی سے خرگوش نے اپنے کپڑوں پر استری کی۔ پالش سے اپنے جوتے چمکائے۔ بالوں میں کنگھی کی اور اچھی طرح سے آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر گھر سے روانہ ہوا۔ راستہ لمبا نہ تھا اور موسم بہت خوش گوار تھا اس لیے خرگوش بڑے مزے سے "چھائی بہار ہے۔ جیا بے قرار ہے" گاتا ہوا جا رہا تھا۔ اسے فلمی گانے بہت پسند تھے۔ راستے میں کچھوے سے اس کی ملاقات ہو گئی۔ جنگل میں سارے جانوروں کے گھر تھے۔ ایک نہیں تھا تو کچھوے کا گھر نہیں تھا۔ دراصل کچھوا ہر وقت اپنے گھر کو اپنی پیٹھ پر لادے چلتا ہے۔ اس وقت بھی کچھوا اسی طرح چل رہا تھا۔ خرگوش نے کچھوے کی پیٹھ پر دستک دی اور کہا،

"میاں کچھوے، اندر ہو؟"

"ہاں بھئی یہیں ہوں۔ میں تو اپنے گھر کو ہر وقت اپنے ساتھ لے کر چلتا ہوں۔ اس سے بڑا آرام رہتا ہے۔ جہاں کہیں کسی دشمن نے حملہ کیا۔ میں نے اپنے ہاتھ پاؤں اندر کر لیے اور گھر کا دروازہ بند کر کے بیٹھ گیا۔"

"بہت عمدہ ترکیب ہے۔" خرگوش نے اسے شاباشی دیتے ہوئے کہا۔

"کہاں جا رہے ہو؟" کچھوے نے خرگوش سے پوچھا۔

"آج سنپا کی سال گرہ ہے نا۔ وہیں جا رہا ہوں۔" خرگوش نے جواب دیا۔

"کھتیا کولی کے گھر؟" کچھوے نے پوچھا، "بھئی میں کبھی وہاں گیا نہیں مگر کھتیا کولی اور اس کی لڑکیوں کی بڑی تعریف سنی ہے۔ مجھے بھی لے چلو تو تمھاری بڑی مہربانی ہو۔"

"چلو، چلو، اس میں ہرج ہی کیا ہے۔ قریب ہی تو گھر ہے۔"

تھوڑی دیر کے بعد دونوں دوست کھتیا کولی کے گھر پہنچ گئے۔ لڑکیاں باہر برآمدے میں انھیں لینے کے لیے آگئیں۔ انھوں نے کچھوے کی بھی بڑی خاطر تواضع کی۔

چوں کہ کچھوا بہت آہستہ چلتا تھا۔ اس کا قد بھی بہت چھوٹا تھا۔ اتنا چھوٹا تھا کہ زمین سے اوپر

کچھ دیکھ ہی نہ سکتا تھا۔ اس لیے کھتیا کولی کی لڑکیوں نے اسے گود میں اُٹھا لیا اور پھر اسے ایک اونچی میز پر رکھ دیا۔ جہاں سے کچھوا سارے کمرے کو اچھی طرح سے دیکھ سکتا تھا۔ باقی لوگ سوفوں پر بیٹھ گئے، مگر کچھوا آج سب سے اونچی جگہ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس لیے خوشی سے پھولا نہ سماتا تھا۔ باتیں ہوتے ہوتے گفت گو کا رُخ لومڑ اور اس کی حرکتوں کی طرف مُڑ گیا۔ کھتیا کولی اور اس کی لڑکیوں نے خرگوش کے گھوڑے کا قصّہ سُنایا۔ کس طرح لومڑ بے وقوف بنا۔ وغیرہ وغیرہ۔ لڑکیاں ہنسنے لگیں۔ کچھوا بھی خوب ہنسا، کیوں کہ وہ لومڑ کو پسند نہیں کرتا تھا۔

خرگوش نے اپنی نئی پتلون کو جھاڑتے ہوئے کہا، "آج میں لومڑ پر چڑھ کے نہیں آیا، کیوں کہ کل میں نے بہت دیر تک اس کی پیٹھ پر سواری کی۔ آج اس سے چلا ہی نہیں جاتا تھا۔ بہت جلدی تھک جاتا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں سنپا، لومڑ کو بیچ دوں، کم بخت بڈھا ہو گیا ہے۔ سواری کے کام کا نہیں رہا ہے۔"

"اگر تم اسے بیچنے ہی پر تلے ہوئے ہو،" کچھوے نے کہا، "تو بھی اسے ذرا دُور کسی جنگل میں بیچ دینا، کم بخت بہت زبان دراز لومڑ ہے۔ کل مجھے راستے میں مل گیا تھا تو اس نے مجھے اور میرے خاندان والوں کو وہ گالیاں سنائی ہیں کہ کیا کہوں۔"

"ایلو!" عنپا اور سنپا خفا ہو کے بولیں، "دیکھی اماں تم نے اس بدذات لومڑ کی حرکت کچھوے بھائی کو گالیاں دے رہا تھا اور بے چارے ہمارے کچھوے بھائی اس قدر شریف ہیں۔ کتنے

لومڑ خرگوش کو پکڑنے کے لیے لپکا، چاروں طرف کھلبلی مچ گئی۔

اچھے، کتنے سویٹ۔"

"ہاں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔" کھتیا کولی نے سب کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا، "تم ضرور اسے بیچ دو۔ لومڑ جانوروں میں بیٹھنے کے لائق نہیں ہے۔" جس وقت لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے۔ لومڑ دروازے سے کان لگائے سب سُن رہا تھا۔ اسے خرگوش پر بڑا غصہ آیا۔ وہ جھٹ دروازہ کھول کر اسی وقت اندر آگیا اور آداب عرض کیے بغیر سیدھا خرگوش کو پکڑنے کے لیے لپکا۔ چاروں طرف کھلبلی سی مچ گئی۔ کرسیاں، اسٹول، تپائیاں اوندھی ہو گئیں۔ لڑکیاں چیخ مار کر باہر برآمدے میں آگئیں۔ کچھوا میز پر کسمساتا ہوا ہلنے جُلنے کی کوشش کرنے لگا۔ قریب تھا کہ لومڑ خرگوش کو پکڑ لے کہ اتنے میں کچھوا زور سے اپنی میز پر سے سرکا اور لومڑ کے سر پر جا گرا۔ کچھوا تم جانتے ہو بہت وزنی ہوتا ہے۔ کچھوے کے سر پر گرتے ہی لومڑ وہیں فرش پر بے ہوش ہو گیا اور خرگوش ڈر کے مارے چھلانگ لگا کر چمنی میں جا چھپا۔

تھوڑی دیر کے بعد جب لومڑ کو ہوش آیا تو اس نے کیا دیکھا کہ دو ایک کرسیاں ٹوٹی پڑی ہیں۔ دو ایک تپائیاں اوندھی پڑی ہیں۔ ایک سوفے کے نیچے کچھوا چھپا بیٹھا ہے اور کھتیا کولی اپنی لڑکیوں کو لیے باہر برآمدے میں کھڑی ہے اور ڈر کے مارے کانپ رہی ہے۔ لومڑ نے پہلے تو اپنے سر کو ہاتھ لگایا۔ جب معلوم ہوا کہ سر سلامت ہے تو اس نے اطمینان سے اِدھر اُدھر دیکھا اور ڈھونڈا کہ خرگوش کہاں ہے، مگر خرگوش کا کچھ پتا نہ چلتا تھا۔ تھوڑی دیر اسی طرح ڈھونڈنے کے بعد یکایک لومڑ کے کانوں میں کسی کے زور سے چھینکنے کی آواز آئی۔ لومڑ چونکا، کیوں کہ آواز چمنی کے اندر سے آئی تھی جہاں خرگوش دبکا پڑا تھا۔ لومڑ مسکرایا۔ اس کی سمجھ میں آگیا کہ چمنی کے اندر کی کالک خرگوش کی ناک میں گھس گئی ہوگی جس سے اسے اس زور کی چھینک آئی کہ وہ اسے روک نہ سکا۔ لومڑ نے چمنی کے قریب جا کر اونچی آواز میں کہا، "آج تم پکڑے گئے خرگوش جی۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ سیدھے سیدھے چمنی سے نیچے اُتر آؤ ورنہ میں آگ جلا کر چمنی میں دھواں کرتا ہوں۔" مگر چمنی کے اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ لومڑ جلدی سے کمرے کا دروازہ کھول کے باہر گیا۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر باہر سے لکڑیاں لے کے اندر آیا اور انھیں آتش دان میں رکھنے لگا۔ یکایک اس کے کانوں میں کسی کے ہنسنے کی آواز آئی۔ یہ خرگوش تھا جو چمنی کے اندر سے زور زور سے ہنس رہا تھا۔

"کیوں ہنس رہے ہو؟" لومڑ نے خرگوش سے پوچھا۔

"میں تمھیں کیوں بتاؤں۔ میں آج بہت خوش ہوں۔"

"کیوں خوش ہو؟"

"واہ میں تمھیں کیوں بتاؤں گا، تم تو میری جان لینے پر تُلے ہوئے ہو۔" خرگوش نے جواب دیا۔

لومڑ بولا، "اگر کوئی کام کی بات ہوئی تو تمھاری جاں بخشی کر دوں گا۔"

خرگوش نے آہستہ سے کہا، "یہاں اوپر چمنی میں کسی نے ایک صندوق چھپا کے رکھا ہے، جس میں اشرفیاں ہی اشرفیاں بھری ہوئی ہیں۔"

"جھوٹے!" لومڑ نے کہا۔

"اعتبار نہ آئے تو چمنی میں منھ ڈال کے دیکھ لو۔ میں اوپر سے اشرفیاں تمھیں پھینکتا ہوں۔"

جب لومڑ نے لالچ میں آکر چمنی میں منھ ڈالا تو اوپر سے خرگوش نے اشرفیوں کے بجائے کالک اس کی آنکھوں میں گرا دی۔ لومڑ نے چلّاتے ہوئے اپنی تھوتھنی چمنی سے باہر نکال لی، مگر اب وہ تھوڑی دیر کے لیے اندھا ہو چکا تھا اور بے بسی سے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور اسی طرح آنکھیں ملتے ہوئے آنکھیں دھونے کے لیے کھڑکی سے نکل بھاگا۔ اس کی یہ حالت دیکھ کر خرگوش بڑے اطمینان سے چمنی سے نیچے اترا۔ برش سے اپنے کپڑے صاف کیے، چھڑی ہاتھ میں لیے سیٹی بجاتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ لڑکیاں اسے دیکھ کر حیران ہو گئیں، کیوں کہ وہ تو سوچے بیٹھی تھیں کہ

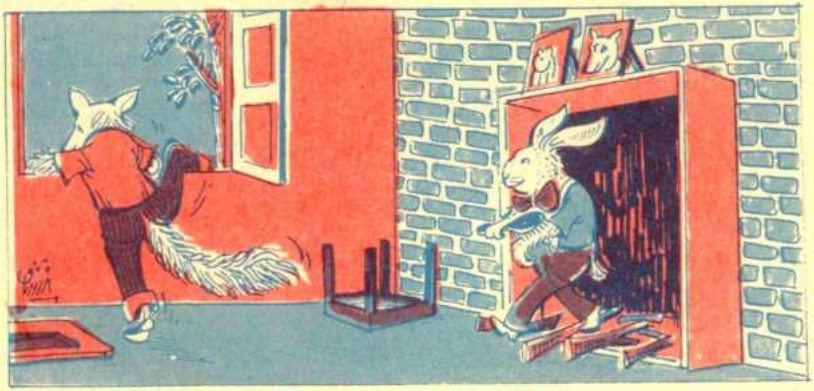

لومڑ آنکھیں دھونے کے لیے کھڑکی سے نکل بھاگا۔

اب لومڑ نے خرگوش کو کھا لیا ہو گا۔

"لومڑ کا کیا ہوا؟" سنپا نے خرگوش سے پوچھا۔

خرگوش نے بڑے اطمینان سے کہا، "میں نے اُس سے صاف صاف کہہ دیا، میاں لومڑ! تمھاری یہ حرکتیں مجھے ذرا پسند نہیں۔ تم نے سنپا کی سال گرہ کی پارٹی چوپٹ کر دی۔ اب خیریت اسی میں ہے کہ چپکے سے یہاں سے کھسک جاؤ، ورنہ میں تمھیں گردن سے پکڑ کے باہر برآمدے میں لے جاؤں گا۔ اور سب کے سامنے چابک مار مار کر تمھاری کھال ادھیڑ دوں گا۔" یہ کہہ کر خرگوش نے اپنے کوٹ کا کالر ٹھیک کیا۔ اپنے دوست کچھوے کو اپنے ساتھ لیا اور سب سے رخصت ہو کر اپنے گھر چلا گیا۔ سنپا بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

کھینا کولی کے گھر میں چالاک لومڑ کو شکست دینے کے بعد خرگوش ایک دم مغرور ہو گیا اور اپنی بہادری اور چالاکی کی بڑی بڑی ڈینگیں مارنے لگا اور سر اُٹھا کے سینہ تان کے چلنے لگا۔ اب تو وہ جنگل کے چھوٹے چھوٹے جانوروں کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

ایک روز کا ذکر ہے خرگوش اسی طرح فخر و غرور سے سر اونچا کیے جا رہا تھا کہ کچھوے نے اسے سلام کیا مگر خرگوش نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں اور ذرا آگے نکل گیا۔ کچھوے نے پھر چلّا کے کہا، "آداب عرض کرتا ہوں خرگوش بھیّا۔"

اب کے خرگوش نے مُڑ کے دیکھا، "اوہو، تم ہو، کچھوا ہے۔ کہو کیسے ہو؟ اس دن میز پر سے گر پڑنے سے زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟"

کچھوے کو بڑا غصّہ آیا۔ وہ تو دراصل خرگوش کو بچانے کے لیے میز پر سے سرکا تھا اور اگر وہ اس وقت لومڑ کے سر پر گر کر اسے بے ہوش نہ کر دیتا تو خرگوش کو اپنی جان بچانی مشکل ہو جاتی۔ بجائے اس کے کہ خرگوش اس کا احسان مانے اُلٹا اسی پر داؤ جما رہا تھا۔ کچھوے کو خرگوش کی یہ حرکت پسند نہ آئی مگر وہ چپ رہا، پھر بڑی عاجزی سے بولا، "جی نہیں، آپ کی عنایت سے اب تو ٹھیک ہوں، مگر ایک بات اگر آپ بُرا نہ مانیں تو آپ سے پوچھ لوں، خرگوش بھیّا!"

"ہاں ہاں کوئی ہرج نہیں ہے، پوچھ لو، پوچھ لو۔" خرگوش نے اپنی چھڑی گھماتے ہوئے بڑی ادا سے کہا۔

"اس روز جب لومڑ آپ سے ڈر کے کھتیا کولی کے گھر سے بھاگا تو آپ نے اس کا پیچھا کیوں نہیں

کیا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اُس دن کم بخت لومڑ اتنی تیزی سے بھاگ گیا کہ آپ اسے پکڑ نہ سکے۔ اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں خود لومڑ کے پیچھے کیوں نہ بھاگا۔"

خرگوش ہنسا۔ "بولو تم! ایک کچھوے ہو کر لومڑ کے پیچھے بھاگتے۔ آہا ہا ہا اور اسے پکڑ لیتے۔ ارے بدھو وہ تو میں ہی تھا کہ اسے پکڑ پاتا، مگر میں اس وقت بیگم کھیتا کوئی اور ان کی لڑکیوں کو اکیلا چھوڑ کر کیسے جا سکتا تھا۔ ورنہ میں تو ایسا تیز بھاگتا ہوں۔"

کچھوے نے اس کی بات کاٹ کے کہا، "یہ بات تو غلط ہے خرگوش بھیّا، تم سے تیز تو میں بھاگ سکتا ہوں۔ اگر یقین نہ آئے تو پچاس رُپے کی شرط بد لو۔ میرے گھر میں پچاس رُپے پڑے ہیں، چمنی میں چھپا کے رکھے ہیں۔ اگر تم دوڑ میں جیت جاؤ تو وہ پچاس رُپے تمھارے۔"

"کیوں تمھاری شامت آئی ہے۔ پچاس رُپے کھوتے ہو۔ اگر میں ایک ٹانگ سے بھی دوڑنے لگوں تو کچھوے سے زیادہ تیز چلوں گا۔" خرگوش نے ہنس کے کہا۔

کچھوا بولا، "اگر تمھیں اپنی ٹانگوں پر اتنا ہی بھروسا ہے تو میرے ساتھ دوڑ لگانے میں کیا ہرج ہے۔"

"ہو جائے پھر!" خرگوش نے جواب دیا۔

تب دونوں اپنے اپنے پچاس رُپے لائے اور انھوں نے گدھ کے حوالے کیے اور جج بھی اسے ہی بنایا کہ وہی فیصلہ کرے کہ دوڑ میں کون جیتا کون ہارا۔ اس کے بعد سارے جنگل میں منادی ہو گئی کہ آج کچھوے اور خرگوش کی دوڑ ہو گی۔ اس دل چسپ نظارے کو دیکھنے کے لیے جنگل کے سارے جانور اکھٹے ہو گئے۔

جنگل میں پانچ میل کی دوڑ کا حساب کر کے راستہ مقرر کیا گیا۔ ہر میل کے بعد لکڑی کا ایک بڑا کھمبا نشان کے طور پر کھڑا کر دیا گیا۔ اس طرح پانچ کھمبے کھڑے کیے گئے۔ خرگوش نے سڑک پر دوڑنے کے لیے رضامندی ظاہر کی۔ کچھوے نے کہا، چوں کہ اسے دھوپ سخت ناپسند ہے، اس لیے وہ جنگل جنگل درختوں اور جھاڑیوں کی آڑ لے کر چلے گا۔

"مگر اس طرح سے تو راستہ تمھارے لیے پانچ میل سے بھی لمبا ہو جائے گا۔" گدھ نے کہا۔

"کوئی حرج نہیں!" کچھوے نے کہا، "میں دوڑوں گا۔"

"تمھاری مرضی۔"

پتھر دِل

معراج

ہاشم ایک غریب بیوہ کا لڑکا تھا۔ وہ ایک کوئلے کی بھٹّی پہ ملازم تھا۔ جب اُسے فرصت ملتی تو وہ سوچنے لگتا کہ میری بھی کیا زندگی ہے؟ دن بھر سخت محنت کے بعد بھی دو وقت کی روٹی میسّر نہیں آتی۔ میرے کپڑے دھوئیں اور کالک سے سیاہ رہتے ہیں۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں لوگ مجھے کوئلے والا کہہ کر بُلاتے ہیں۔

ایک دن اسے خیال آیا کہ شاید یہ میرے کام کی خرابی ہے۔ اگر میں اپنا پیشہ تبدیل کر دوں تو شاید میری زندگی بہتر طور سے گزرنے لگے۔ ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا، "پیاری ماں،

ہاشم کے مناجات پڑھتے ہی درویش اپنی کُٹیا سے باہر نکل آئے۔

اب کوئلے کے کام سے میرا دل اُٹھ گیا ہے۔ میں کوئی اور کام کاج کرنا چاہتا ہوں۔"

بوڑھی ماں بولی، "بیٹا، جنگل کے اندر ایک بزرگ درویش رہتے ہیں۔ تم اپنی مشکل ان سے بیان کرو۔ مجھے اُمید ہے کہ وہ ضرور تمھیں کوئی اچھا مشورہ دیں گے۔"

ماں نے ہاشم کو اس درویش کا پتا بتایا اور کہا، "جب تم وہاں پہنچو گے اُس وقت تمھیں ایک مُناجات پڑھنی ہو گی۔"

اگلے دن ہاشم نے اچھے کپڑے پہنے۔ پھر وہ درویش کی تلاش میں چل دیا۔ وہ جنگل کے اندر چلتا رہا، چلتا رہا آخر ایک ایسی جگہ جا پہنچا جہاں درخت بے حد گھنے اور بہت اونچے اونچے تھے۔ یہیں اس درویش کی جھونپڑی تھی۔

ہاشم نے مناجات پڑھی۔ درویش کٹیا سے باہر نکل آئے اور ہاشم سے پوچھا، "بیٹا! کیا بات ہے؟ تم یہاں کس لیے آئے ہو؟"

ہاشم نے کہا، "آج کل میرے حالات بڑے خراب ہیں۔ مہنگائی روز بہ روز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ میری تنخواہ معمولی سی ہے، جس میں گزر بسر کرنا بہت مشکل ہو گیا ہے۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسا پیشہ اختیار کروں جس میں اچھی آمدنی ہو۔ جب میں مال دار لوگوں کو عیش و عشرت کرتے دیکھتا ہوں تو میرے سینے پر سانپ لوٹنے لگتے ہیں۔"

درویش نے کہا، "بیٹا، حسد کرنا بہت بُری بات ہے۔ مال اور دولت ہی سب کچھ نہیں ہوتا۔"

ہاشم بولا، "آپ نے درست فرمایا، لیکن حضور، ذرا غور تو فرمائیے لوگ دولت مند کی عزت کرتے ہیں اور مجھے حقارت سے "او کوئلے والے" کہہ کر بلاتے ہیں۔"

درویش نے کہا، "جو لوگ مجھ سے دُعا کے لیے کہتے ہیں۔ خدا ان کی تین مُرادیں پوری کر دیتا ہے۔ دو خواہشیں تو تمھارے اختیار میں ہیں۔ جیسا تم چاہو ویسا ہی پورا ہو گا۔ تیسری خواہش میرے اختیار میں ہے۔ اگر وہ احمقانہ ہو تو وہ قبول نہیں ہو گی۔"

ہاشم یہ سُن کر بے حد خوش ہوا۔ وہ سوچنے لگا کہ کیا مانگنا چاہیے؟ اُسے استاد موجی کا خیال آیا جو گلیوں میں سارنگی بجایا کرتا تھا۔

اُس نے کہا، "جناب، میری پہلی خواہش تو یہ ہے کہ میں استاد موجی خان سے بہتر سارنگی بجاؤں۔ لوگ میری موسیقی سُن کر بے خود ہو جائیں۔"

ہاشم گلی کوچوں میں ساز بجا کر روزی کمانے لگا۔

درویش نے نفرت سے ہاشم کی طرف دیکھا اور غصّے سے بولا، "بے وقوف کوئی اچھی سی چیز مانگ۔"

ہاشم نے سر کھجا کر کہا، "میں چاہتا ہوں کہ میرے پاس شیشے کے برتن بنانے کا کارخانہ ہو۔ لوگ دُور دُور سے میرے برتن خریدنے کے لیے آئیں۔"

درویش کا غصّے سے بُرا حال ہو گیا۔ اس نے ہاشم کے دو تین بار لاٹھی سے مارا اور کہا، "بے وقوف، تم دنیا کی راحت، چین اور سکون طلب کرتے اور آخرت میں نجات کی تمنا کرتے، لیکن تم نے بہت ہی گھٹیا اور فضول خواہشوں کا اظہار کیا۔"

ہاشم نے جلدی سے کہا، "لیکن ابھی میری ایک خواہش باقی ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا ہے، میں وہ اب مانگ لیتا ہوں۔" درویش نے کہا، "نہیں، بالکل نہیں۔ پہلے تم اپنی حماقتوں کی سزا بھگتو۔ جب تم دنیا بھر کی ٹھوکریں کھا چکو تب میرے پاس آنا۔ شاید اس وقت مجھے تمھاری بے بسی پر رحم آجائے۔"

یہ کہہ کر درویش نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی اور اُسے ہاشم کو دے کر کہا، "اب تم میری نظروں سے دُور ہو جاؤ اور دوبارہ اپنی شکل نہ دکھانا اور نہ مزید رُپیہ طلب کرنے کی کوشش کرنا۔"

ہاشم اپنے گاؤں میں واپس پہنچا۔ اسے خبر ملی کہ کانچ کے برتنوں کے کارخانے کا مالک مر چکا ہے اور اب کارخانہ فروخت ہو رہا ہے۔ ہاشم نے یہ کارخانہ خرید لیا۔ شروع شروع میں یہ کاروبار خوب چمکا۔ دُور دراز شہروں سے تاجر یہ برتن خریدنے کے لیے آتے تھے اور منھ مانگے دام ادا کر کے یہ برتن لے جاتے۔

آہستہ آہستہ ہاشم کی دل چسپی کارخانے میں کم ہونے لگی۔ وہ راگ رنگ کی محفلوں میں شریک ہونے لگا۔ وہ لوگوں کو اپنی سارنگی بجا کر سُنایا کرتا اور لوگ بھی خوب داد دیا کرتے۔ پہلے وہ ہفتے میں ایک دن ناغہ کرنے لگا، پھر ہر دوسرے تیسرے دن ناغہ کرنے لگا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ کئی کئی ہفتے کارخانے سے غائب رہنے لگا۔ کارخانے میں کام کرنے والوں نے بھی کام میں دل چسپی لینا بند کر دی۔ کام کاج ٹھپ ہو کر رہ گیا۔ جو مال تیار ہوا وہ اتنا ناقص تھا کہ خریداروں نے اُسے لینے سے انکار کر دیا۔ کارخانے میں مال کے ڈھیر کے ڈھیر لگ گئے۔

ہاشم کو کاروبار کا کوئی تجربہ نہیں تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان ڈھیروں برتنوں کا کیا کرے؟ آخر اس نے یہ مال اونے پونے فروخت کیا، لیکن کاروبار کا حال بد سے بدتر ہوتا چلا گیا۔ آخر کارخانہ بند ہو گیا۔ اب بھی اس کے سر پر ہزاروں رُپے کا قرض تھا جو اُس کو کاری گروں اور دوسرے لوگوں کو ادا کرنا تھا۔ اب وہ گلی کوچوں میں سارنگی بجا بجا کر روزی کمانے لگا، لیکن فن کے قدر دان کچھ کم ہی ہوتے ہیں۔ آخر کچھ عرصے کے بعد فاقوں تک نوبت جا پہنچی۔

ایک دن ہاشم پھر جنگل میں گیا۔ اس نے درویش کی جھونپڑی کے باہر کھڑے ہو کر مناجات پڑھی۔ درویش نے باہر آ کر پوچھا، "کہو، اب کیسے آنا ہوا؟"

ہاشم جل کر بولا، "تمھاری وجہ سے میں اس حال تک پہنچا ہوں۔ جب تک میں بھٹی پر کام کرتا رہا، مجھے کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی۔ جب سے تمھاری صورت دیکھی ہے میرا چین سکون غارت ہو گیا ہے۔ شیشے کا کاروبار ٹھپ ہو چکا ہے۔ میرے سر پر قرض کا بوجھ ہے۔ میں لوگوں سے بچنے کی خاطر منھ چھپائے چھپائے پھرتا ہوں۔"

درویش نے کہا، "تم اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ اگر تم ذرا بھی سوجھ بوجھ سے کام لیتے تو یہ نوبت نہ آتی۔"

ہاشم جھنجھلا کر بولا، "بے وقوف بڈھے، میں تمھیں ابھی بتاتا ہوں کہ کون عقل مند ہے اور کون

بے وقوف؟" یہ کہہ کر ہاشم نے درویش کو گردن سے پکڑ لیا اور چلّا کر بولا، "میری تیسری خواہش ہے کہ تم مجھے فوراً ڈھائی لاکھ رُپے دلوا دو، ورنہ یاد رکھو کہ میں ابھی تمھارا گلا دبا دوں گا۔"

اچانک ہاشم کو یوں محسوس ہوا کہ جیسے اس کا ہاتھ دہکتی ہوئی آگ میں جا پڑا ہے۔ اس نے گھبرا کر درویش کو چھوڑ دیا۔ اس کے ہاتھ میں شدید جلن اور تکلیف تھی۔ ہاتھ پر آبلے پڑ گئے تھے اور وہ بُری طرح سوجھ گیا تھا۔ وہ درد سے چلّاتا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ وہاں پر لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو رہا ہے۔ سرکار کے آدمی اس کا گھر اور سب چیزوں کو نیلام کر رہے ہیں۔

اب ہاشم کوڑی کوڑی کا محتاج ہو گیا تھا۔ ایک دن وہ سوچنے لگا کہ کیا کرنا چاہیے؟ درویش کے پاس جانا تو بے کار ہے۔ اس کے دل میں اچانک یہ خیال آیا کہ شیطان سے ملنا چاہیے۔ ممکن ہے کہ وہ کچھ مدد کر دے۔

اسے شیطان کا ٹھکانا معلوم تھا۔ جنگل کے دوسری طرف ایک بدبودار جوہڑ کے پاس ہی شیطان رہتا تھا۔ ہاشم مکان کے باہر کھڑا ہو گیا اور زور زور سے آواز یں دینے لگا، "مسٹر شیطان، مسٹر شیطان۔"

شیطان اپنے گھر سے باہر آیا۔ وہ ہاشم کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ شیطان ہاشم کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر میں لے گیا۔

شیطان نے کہا، "میں تو بہت مدّت سے تمھارا انتظار کر رہا تھا۔ اب بتاؤ کہ تم کس لیے آئے ہو؟"

ہاشم نے کہا، "میں آج کل سخت پریشانی میں مبتلا ہوں۔ مجھے لوگوں سے خوف آتا ہے۔ میں ان سے بچنے کے لیے منھ چھپائے چھپائے پھرتا ہوں۔"

شیطان نے کہا، "میرا خیال ہے کہ تمھارا دل کم زور ہے۔ تم ایسے دل کو نکال کر پھینک کیوں نہیں دیتے؟ یہاں اِدھر دیکھو۔"

ہاشم نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ دیوار کے ساتھ ساتھ الماریوں کی قطار تھی۔ ان میں شیشے کے مرتبان رکھے ہوئے تھے۔ ہر مرتبان میں ایک شفاف سے مائع کے اندر دل رکھا ہوا تھا۔

شیطان نے کہا، "کیا تم اپنا دل بیچو گے؟ میں تمھارے منھ مانگے دام ادا کرنے کو تیار ہوں۔ دس ہزار رُپے تو تم ہاتھ کے ہاتھ لے لو۔"

ہاشم نے کہا، "مجھے دل کی ضرورت ہے، میں اس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گا؟"

شیطان نے ایک پتھر کا بنا ہوا دل نکالا اور کہا "تم اپنے دل کی جگہ یہ لگا لو، یہ اصلی سنگِ مرمر کا بنا ہوا ہے۔ اس دل پر نہ خوشی کا اثر ہوتا ہے اور نہ غم کا۔"

ہاشم نے حیران ہو کر پوچھا، "کیا یہ کام بھی کرتا ہے؟"

شیطان بولا، "بالکل، سوا سولہ آنے۔"

ہاشم نے کہا، "اچھا، مجھے یہ سودا منظور ہے۔"

شیطان نے اُسے شربت کا پیالہ اور گوشت کے پارچے پیش کیے۔ نہ جانے شربت میں کیا ملا ہوا تھا کہ ہاشم پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ آخر وہ گہری نیند سو گیا۔ اس دوران میں شیطان نے ہاشم کا دل نکال کر اس کی جگہ پتھر کا دل لگا دیا۔

کچھ دیر بعد جب ہاشم بیدار ہوا تو شیطان نے بیس ہزار رُپے اسے دیے اور بولا، "اب تم ملک ملک کی سیر کرو۔ جب تم واپس لوٹو گے تو میں تمھیں اور رقم دوں گا۔"

شیطان نے ایک لاکھ اشرفیوں کی تھیلی ہاشم کے حوالے کر دی۔

ہاشم دنیا کی سیر و سیاحت کے لیے چل دیا۔ اُس نے ملک ملک کی سیر کی اور نگر نگر گھوما پھرا۔ اس نے شہروں کی بلند و بالا عمارتیں دیکھیں، سرسبز کھیت دیکھے۔ اُونچے اُونچے پہاڑ دیکھے، دریا اور آبشار دیکھے، لیکن اسے کسی جگہ نہ خوشی محسوس ہوئی اور نہ لطف آیا۔ اُس نے بلبلوں کا زمزمہ سُنا۔ کوئل کی کوکو سُنی، چڑیوں کی چہکار سُنی، گانے والوں کے دل کش نغمے سُنے، لیکن اُسے نہ خوشی محسوس ہوئی اور نہ لطف آیا۔ اُس کی زندگی بالکل بے مزہ ہو کر رہ گئی تھی۔

دو سال کے بعد جب وہ سیر سپاٹے سے واپس لوٹا تو وہ سب سے پہلے شیطان کے محل میں حاضر ہوا۔ اس نے شکایت کی کہ "اب زندگی کا لطف ہی جاتا رہا۔ مجھے ہر چیز سے اُلٹا ہٹ محسوس ہوتی ہے۔"

شیطان نے کہا، "میرا خیال ہے کہ تم زیادہ سے زیادہ مصروف رہا کرو۔ اس لیے پہلے تم ایک شان دار گھر بناؤ، پھر تم کسی خوب صورت عورت سے شادی کر کے گھر بساؤ، پھر تم اپنا کاروبار شروع کر کے خوب کماؤ۔" یہ بات ہاشم کے دل کو لگی۔ شیطان نے ایک لاکھ اشرفیوں کی تھیلی ہاشم کو دے دی۔ ہاشم نے شیطان کی بات پر عمل کرتے ہوئے ایک شان دار مکان بنایا۔ اسے دنیا کی رنگا رنگ خوب صورت اور قیمتی چیزوں سے بھر دیا۔ پھر اسے شادی کی سوجھی۔ اُس نے ایک ایسی لڑکی تلاش کر لی جو سیرت اور صورت ہر طرح سے بے مثال تھی۔ اس کی بیوی حُسنہ بہت ہی نیک دل اور با اخلاق لڑکی تھی۔ جو فقیر اُدھر آ نکلتا، حُسنہ اس کی بہت خاطر مدارت کرتی۔ حالاں کہ اس کے شوہر ہاشم کو فقیروں کے نام سے چڑ تھی۔ جب وہ کسی فقیر کو دروازے پر کھڑا دیکھ لیتا تو اسے دھکے دے کر نکلوا دیتا۔

ایک دن ہاشم نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ وہ ایک فقیر کو کھانا کھلانے میں مصروف ہے۔ یہ دیکھ کر ہاشم تو آپے سے باہر ہو گیا۔ اس نے اپنی بیوی کو اتنا مارا کہ وہ زمین پر گر پڑی۔ فقیر کو یہ بات بہت ناگوار گزری۔ اس نے ہاشم کو اُٹھا کر زمین پر دے مارا۔ ہاشم کو ایسی سخت چوٹ آئی کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی غائب ہے۔ ہاشم نے اُسے ہر جگہ تلاش کیا، لیکن وہ تو ایسی غائب ہوئی کہ جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

ہاشم کے پتھر دل پر اس کی گم شدگی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اب اپنے کاروبار میں زیادہ مصروف رہنے لگا۔ وہ لوگوں کو رُپیہ اُدھار دیتا اور ان سے بہت زیادہ سُود وصول کرتا۔ جو بد قسمت لوگ یہ رُپیہ

وقت پر ادا نہ کر سکتے، ہاشم ان کی جائداد پر قبضہ کر لیتا۔ وہ اتنا کنجوس بھی تھا کہ ایک ایک پیسہ بچا بچا کر رکھتا۔ جب اُس کی ماں اس سے ملنے آتی تو وہ اسے چند سکّے دے کر باہر ہی سے رخصت کر دیتا۔ ہوتے ہوتے ماں نے ہاشم سے ملنا چھوڑ دیا۔ پھر اس کی خبر نہ مل سکی کہ وہ کہاں گئی؟

ایک رات ہاشم نے خواب میں اپنی بیوی کو دیکھا۔ وہ کہہ رہی تھی کہ تمھارا دل پتھر ہو گیا ہے اس میں نرمی پیدا کرو۔ جب ہر رات اسے یہی خواب نظر آنے لگا تو ہاشم کو خیال آیا کہ اس بات میں صداقت ضرور ہے۔ چناں چہ ایک دن وہ جنگل میں گیا۔ اس نے مُناجات پڑھی، بزرگ درویش جھونپڑی سے باہر نکلا اور پوچھنے لگا، "کیا بات ہے؟ اب تم کس لیے یہاں آئے ہو؟"

ہاشم نے سر جُھکا کر کہا، "میں نے پچھلی دفعہ آپ کے ساتھ انتہائی بدتمیزی کی تھی۔ میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔"

بزرگ درویش نے ہاشم کی خطا معاف کر دی۔ تب ہاشم نے کہا، "ابھی میری ایک خواہش باقی ہے۔"

ہاشم اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر آنسو بہانے لگا۔

درویش نے کہا، "ہاں مجھے یاد ہے۔"

ہاشم نے شیطان سے ملاقات کرنے کا واقعہ سُنایا۔ پھر اس نے التجا کی، "آپ کسی طرح میرا دل مجھے واپس دِلا دیں۔ میں ہمیشہ آپ کا احسان مند رہوں گا۔ اس پتھر کے دل نے میری زندگی کی سب مسرتیں چھین لیں۔ مجھے اب نہ خوشی کا احساس باقی رہا ہے اور نہ غمی کا۔"

بزرگ نے کہا، "افسوس یہ بات میرے اختیار میں نہیں۔ تمھارا دل شیطان کے قبضے میں ہے وہی اسے واپس کر سکتا ہے۔ ہاں میں تمھیں ایک ترکیب بتاتا ہوں، جس سے تم اپنا دل شیطان سے واپس لے سکتے ہو۔" یہ کہہ کر درویش نے ہاشم کو ترکیب سمجھا دی۔

اب ہاشم شیطان کے گھر پہنچا۔ اس نے کہا، "شیطان مَردُود، مجھے فوراً دو لاکھ رُپے چاہییں۔ میں نے اپنی بیوی کو قتل کر دیا ہے، اس لیے میں ملک سے فرار ہونا چاہتا ہوں۔"

شیطان نے کوئی جواب نہ دیا۔ ہاشم نے پھر کہا، "ابلیس جہنمی، تم نے جو دل میرے پہلو میں رکھ دیا ہے وہ بالکل ناکارہ ہے۔ اس میں مصیبت زدہ لوگوں کے لیے ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے۔"

شیطان کو یہ سُن کر بہت غصّہ آیا۔ ہاشم نے کہا، "بھئی شیطان، تم دل نکالنا ہی جانتے ہو یا اُسے اس کی جگہ دوبارہ فِٹ بھی کر سکتے ہو؟"

شیطان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا، "میں سرجری کا ماہر ہوں۔"

ہاشم نے ایک مرتبان کی طرف اشارہ کر کے کہا، "اگر تم اتنے ہی ماہر ہو تو یہ شکر قندی میرے دِل کی جگہ فِٹ کر کے دکھاؤ۔"

شیطان غصّے سے دہاڑ کر بولا، "بے وقوف، یہ شکر قندی نہیں ہے۔ یہ تمھارا دل ہے۔ اچھا ٹھیرو، تمھیں ابھی یقین آجائے گا۔" یہ کہہ کر شیطان نے ہاشم کا سینہ چاک کیا۔ پھر اس نے بہت احتیاط سے اس کے پتّھر کا دل نکال کر اس کی جگہ گوشت پوست کا اصلی دِل فِٹ کر دیا اور پتّھر کے دِل کا معائنہ کرنے لگا۔ ہاشم نے جیب سے ایک تعویز نکالا اور اسے پہن لیا۔

شیطان نے کہا، "پتّھر کا دل تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ ضرور تمھیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

ہاشم نے ہنس کر کہا، "مسٹر، غلط فہمی مجھے نہیں، تمھیں ہوئی ہے۔"

شیطان نے دوبارہ جب ہاشم کا دل نکالنے کے لیے اس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اسے کرنٹ سا لگا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا، "یہ کیا ہے؟"

ہاشم نے ہنس کر کہا، "یہ ہے لاحول ولا قوت ..."
لاحول کا پڑھنا تھا کہ شیطان کے ایک گولا سا لگا۔ وہ درد سے چیختا، چلاتا ہوا بھاگا۔
ہاشم درویش کے پاس پہنچا۔ اب اس کے سینے میں اس کا اپنا دل دھڑک رہا تھا۔ اُسے ماضی کی سب باتیں یاد آنے لگیں۔ اُس نے لوگوں کے ساتھ کتنی زیادتیاں کی تھیں۔ اس نے اپنی ماں سے کیسا بُرا سلوک کیا تھا۔ وحشت اور جنون کی حالت میں شاید اپنی بیوی کو جان سے مار ڈالا تھا۔ وہ بُری طرح رونے لگا۔
درویش نے پوچھا، "تم اپنی تیسری خواہش کا اظہار کرو۔ بتاؤ تو سہی کہ تم کیا چاہتے ہو؟"
ہاشم نے کہا، "اب مانگنے کے لیے کیا رہ گیا ہے؟ جو خوشیاں مجھ سے روٹھ چکی ہیں وہ پھر حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جو لوگ بچھڑ چکے ہیں وہ دوبارہ نہیں مل سکتے۔"
درویش نے کہا، "مایوسی کفر ہے۔ اگر خدا چاہے تو ہر بات ممکن ہے۔" ہاشم نے اپنا سَر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور آنسو بہانے لگا۔
اُسے درویش کی آواز سُنائی دی، "اِدھر دیکھو۔"
ہاشم نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ اس کے سامنے اس کی ماں اور بیوی کھڑی تھیں۔ ہاشم بولا، "خدا کا شکر ہے کہ تم زندہ ہو۔ ماں، میری اچھی ماں، مجھے معاف کر دو۔ میں نے تمھارے ساتھ بہت زیادتی کی ہے۔"
پھر وہ اپنی بیوی سے بولا، "میں نے تمھارے ساتھ بھی بہت زیادتی کی ہے۔ میں اس کی معافی چاہتا ہوں۔"
درویش نے کہا، "بیٹا، چوں کہ تم سچّے دل سے پشیمان ہو، اس لیے انھوں نے تمھیں معاف کر دیا ہے۔ اب تم اپنے گھر جاؤ اور کوٹلے کا کاربار سنبھالو۔"
پھر وہ تینوں واپس لوٹے۔ جب وہ اپنے گاؤں واپس پہنچے تو انھیں معلوم ہوا کہ وہ محل جو شیطان کے رُپے سے تعمیر ہوا تھا، وہ جل کر راکھ ہو گیا ہے۔
ہاشم اپنے پہلے کام پر واپس آگیا۔ وہ بہت محنت اور دیانت داری سے کام کرتا رہا۔ جلد ہی اس نے اچھا خاصا کما لیا۔ مگر اب وہ اس حقیقت کو جان گیا تھا کہ سچّی خوشی مال و دولت سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ لوگوں کی خدمت کرنے اور ان سے محبّت کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ابّو، ڈاکٹر صاحب نے امّی کو بتایا ہے کہ میں حافظہ کی کم زوری کی وجہ سے امتحان میں فیل ہوا ہوں اور یہ کہ مجھے مری یا کوئٹہ لے جایا جائے۔ آپ مجھے کہاں لے جائیں گے؟
دوسرے ڈاکٹر کے پاس

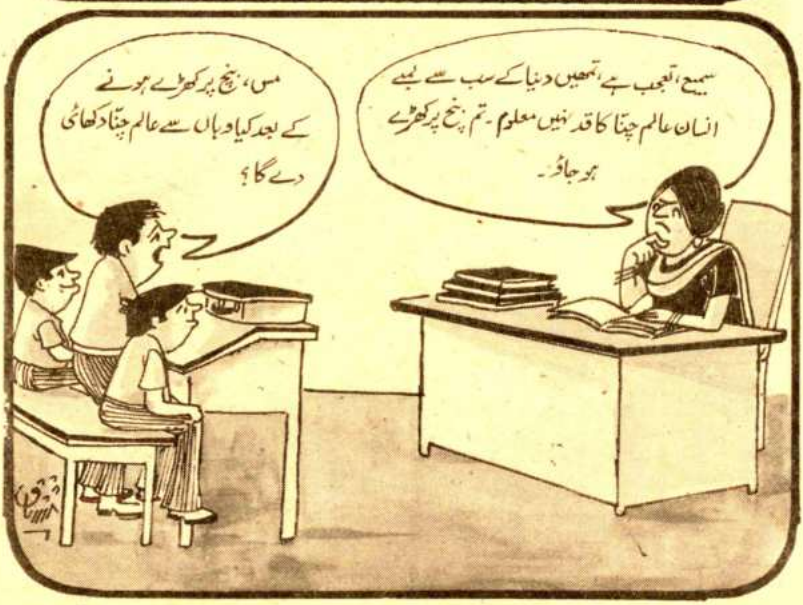
سمیع، تعجب ہے، تمھیں دنیا کے سب سے لمبے انسان عالم چنّا کا قد نہیں معلوم۔ تم بنچ پر کھڑے ہو جاؤ۔
مس، بنچ پر کھڑے ہونے کے بعد کیا وہاں سے عالم چنّا دکھائی دے گا؟

مگر فسادِ خون سے بچنے کے لئے صافی بہتر ہے

خون میں سرایت کئے ہوئے فاسد مادے پھوڑے پھنسیوں اور کئی دوسری جلدی بیماریوں کو جنم دیتے ہیں۔ ان سے بچنے کے لئے صافی باقاعدگی کے ساتھ استعمال کیجئے۔ خُون کی صفائی اور جلدی بیماریوں سے محفوظ رہنے کا مفید ذریعہ ہے۔

جڑی بوٹیوں
سے تیار شدہ

صافی

ہمدرد

سے خون بھی صاف، جلد بھی صاف

پیٹ میں درد

س : میری عمر ۱۵ سال ہے۔ میں جب بھی کھانا کھاتا ہوں پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ میں زیادہ کھانا بھی نہیں کھاتا، کوئی علاج بتائیں۔ سید شمشاد علی حیدر، ساہی وال

ج : بہ ظاہر آپ کے معدے میں کوئی خرابی ہے۔ ممکن ہے کہ ورم پیدا ہو گیا ہو۔ میری رائے ہے کہ آپ کو کسی اچھے معالج سے باقاعدہ اپنا علاج کرانا چاہیے۔ ویسے آپ روزانہ صبح کافی دنوں تک پودینہ سبز تازہ ۹ گرام اور سونف کُٹی ہوئی ۶ گرام لے کر ان دونوں کو جوش دیں اور چھان کر اسے چائے کی طرح پینا شروع کر دیں۔ اس سے معدے کی خرابی دُور ہو جائے گی، غذا میں مرچیں تقریباً ترک کر دیں اور ہاں پراٹھے کھاتے ہوں تو ان کو بھی چھوڑ دیں۔ یہ بھی سمجھ لیں کہ گائے کا گوشت بھی مُضر ہوتا ہے۔

مسوڑوں سے خون آتا ہے

س : کافی عرصے سے میری امّی کے مسوڑوں سے خون آتا ہے اور سخت چیزیں کھانے سے بھی تکلیف ہوتی ہے۔ وٹامن سی کے استعمال سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ازراہِ کرم کوئی اچھا علاج بتائیں۔

ع۔ ج۔ ش، لاڑکانہ

ج : محترمہ امّی صاحبہ کو اب گائے کا گوشت بالکل ترک کر دینا چاہیے، کیوں کہ اس سے مسوڑے کم زور اور اسفنجی ہو جاتے ہیں۔ محترمہ کو اپنی غذا میں سبزیوں کو پوری اہمیت دینی چاہیے۔ ان کے لیے ٹماٹر زیادہ مفید ہوں گے۔ لاڑکانہ میں نیم کا درخت ضرور ہوتا ہے۔ نیم کے تازہ پتے پانی

میں جوش دے کر چھان کر اس سے گُلّیاں کرنی چاہییں تاکہ مسوڑوں میں بیٹھے ہوئے جراثیم ہلاک ہو جائیں، دانتوں پر "سنون پوست مغیلاں" مَلنا چاہیے۔ یہ کسی مشرقی دواخانے سے مل جائے گا۔

شکر کا مرض

س: ذیابیطس کا مرض کیا ہے؟ اس کی علامتیں، اثرات، پرہیز اور علاج بتا کر ممنون فرمائیے۔
محسن رجب علی، نواب شاہ

ج: ذیابیطس کو بچے اس طور پر سمجھ لیں کہ ایک موٹر کار میں پٹرول تو بھرے جائیں مگر موٹر کو چلائیں نہیں۔ نتیجہ کیا ہوگا؟ پٹرول لبالب بھر کر پھر باہر گرنے لگے گا۔ انسان جب اس قدر کھائے کہ اُس کی جسمانی ضرورت سے زیادہ ہو، حرکت نہ کرے مگر کھائے چلا جائے تو ایک وقت ایسا آتا ہے کہ غذا شکر بن کر خون میں شریک ہونے کے بجائے پیشاب میں خارج ہونے لگتی ہے اور ایسا اس لیے ہوتا ہے کہ شکر کو ہضم اور کنٹرول کرنے والا نظام (بانکراس) ناکارہ ہو جاتا ہے اور ایسا ناکارہ ہوتا ہے کہ پھر وہ کام نہیں کرتا۔ یہ ہے ذیابیطس۔ حاصلِ کلام یہ ہوا کہ انسان کو ضرورت سے زیادہ ہرگز نہیں کھانا چاہیے اور اس کھائے ہوئے کو ہضم کرنے کے لیے پابندی اور باقاعدگی سے ورزش (حرکت) کرنی چاہیے۔

کھانے کے بعد تربوز، امرود کے بعد پانی

س: کھانا کھانے کے فوراً بعد تربوز کھانا اور امرود کھانے کے بعد پانی پینا کیوں مُضر ہے؟
علی محمد، کراچی

ج: عرب ملکوں میں عموماً لوگ تربوز کھانا کھانے کے بعد کھاتے ہیں اور اُن کو اس سے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔ ہاں ہمارے ہاں پاکستان میں نیز ہندوستان میں کھانے کے ساتھ تربوز کھانے کو منع کرتے ہیں۔ واقعی اس سے نقصان بھی ہو جاتا ہے۔ اصل میں تربوز یوں تو پانی ہے مگر اس میں اجزائے غذائی بھی کثرت سے ہوتے ہیں۔ یہ ایک غذا بھی ہے، مگر ایسی غذا کہ بہت جلدی ہضم ہوتی ہے۔ اب جب آپ کھانا کھاتے ہیں کہ جو دیر میں ہضم ہوتا ہے اور اُس کے اوپر تربوز کھاتے ہیں کہ جو جلد ہضم ہوتا ہے تو یہ دونوں قسم کی غذائیں معدے میں گڈمڈ ہو جاتی ہیں۔ تربوز جلد ہضم ہو کر جذب ہو جاتا ہے، مگر دیر ہضم غذا اُس کا راستہ بند رکھتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے

کہ دیر ہونے کی وجہ سے تر بوز سڑ جاتا ہے اور اس سڑاند سے نظامِ ہضم متاثر ہوتا ہے۔
امرود کھا کر پانی پینے سے تو کوئی نقصان نہیں ہوتا۔

مستقل نزلہ

س : میری عمر ۱۶ سال ہے۔ مجھے بہت دنوں سے نزلہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ جونہی موسم تبدیل ہوا نزلے نے آن گھیرا۔ محمد عزیز اللہ عابد، بورے والہ

ج : آپ ذرا اس پر توجہ کیجیے کہ آپ کی ناک صاف رہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ ناک کو صاف نہ کرنے کی وجہ سے ناک کی اندرونی جھلی میں ورم آجاتا ہے اور وہ جھلی اس قدر حساس ہو جاتی ہے کہ موسم کا ذرا سا اثر ہوتے ہی ورما جاتی ہے اور ناک بہنے لگتی ہے۔ دماغی کم زوری کی وجہ سے بھی نزلہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے خمیرہ گاؤزبان عنبریں ۶ گرام روزانہ ۱۵۔۲۰ دن کھا کر دیکھ لیجیے۔ حیاتین ج (وٹامن سی) بھی نزلہ زکام کا ایک اچھا علاج ہے۔ "وی سی" ۵۰۰ گرام کی ایک ٹکیا روزانہ صبح نہار منھ کھانا شروع کر دیجیے۔

پھل اور سبزیوں کے چھلکے

س : کھانے والی قدرتی چیزوں مثلاً پھلوں اور سبزیوں میں سے کن چیزوں کا چھلکا ہمارے لیے مفید اور کن اشیا کا چھلکا نقصان دہ ہوتا ہے۔ شعیب اللہ شیخ، کراچی

ج : اکثر و بیش تر سبزیاں اور پھل ایسے ہیں کہ اُن کا چھلکا آسانی سے کھایا جا سکتا ہے اور وہ ہضم بھی ہو جاتا ہے بلکہ ہضم میں مدد دیتا ہے۔ مثلاً سیب ہے۔ اس کا چھلکا نہایت نازک اور نرم ہوتا ہے۔ پھر معلوم یہ ہوا کہ سیب کے حیاتین عین چھلکے کے نیچے ہوتے ہیں۔ اگر سیب کو چھیل لیا گیا تو یہ حیاتین چھلکے کے ساتھ ضائع ہو جاتے ہیں۔ امرود کا چھلکا، انگور کا چھلکا، خوبانی کا چھلکا یہ سب کھائے جا سکتے ہیں۔ اسی طرح ٹماٹر ہے، گاجر، مولی ہے، شلغم اور چقندر ہے۔ ان سب کا چھلکا کھایا جا سکتا ہے۔ ہماری آنتیں ان کھُردرے چھلکوں کی ضرورت مند ہیں۔ جو لوگ نازک، صاف اور چکنی غذائیں کھاتے ہیں اُن کی آنتیں کم زور ہو جاتی ہیں اُن کو قبض بھی رہتا ہے۔ میں آپ سے کب کہتا ہوں کہ آپ نارنگی کا چھلکا کھا جائیے، لیچی کا پوست نگل جائیے۔

بال گر رہے ہیں

س : میرے بالوں میں خشکی ہے۔ بال بہت گر رہے ہیں۔ ہفتے میں دو مرتبہ سر دھوتی ہوں۔

کنگھی کرنے سے بھربال جھڑتے ہیں اور میل سا نکلتا ہے۔ سر میں خارش ہے اور دانے بھی ہیں۔ عمر سترہ برس ہے۔ پریشان ہوں۔ مہربانی کر کے کوئی نسخہ بتائیں۔ عاصمہ مفتی، لاہور

ج : آپ کے سر میں خارش ہے۔ اسے بفا بھی کہہ سکتے ہیں۔ اکثر و بیش تر صورتوں میں یہ تکلیف صفائی کی طرف سے غفلت کی وجہ سے ہوتی ہے اور یہ مشکل سے رفع ہوتی ہے۔ آپ ہمدرد انار کلی، لاہور سے حسبِ ذیل تیل تیار کروالیں۔

دوائے خارش سفید ۱۵ گرام، روغن کمیلا ۳۶ گرام۔

ان دونوں کو باہم ملالیں۔ دوائے بفا تیار ہے۔ رات کو سوتے وقت سر میں لگائیں اور دوسری صبح سر دھو ڈالیں۔ ایسا ایک ہفتے برابر کریں۔ تکلیف رفع ہو جائے گی۔ ان شاء اللہ۔

شدید خارش

س : میری والدہ کے پاؤں میں تقریباً ۶ سال سے خارش ہے، جب وہ پاؤں گھماتی ہیں تو پاؤں اس طرح تپنے لگتا ہے جیسے آگ سے نکالا ہوا انگارہ ہو۔ بہت علاج کیا، لیکن آرام نہیں ہوا، بتائیے کیا کریں۔ والدہ کی عمر تقریباً ۴۰ سال ہے۔ محمد یٰسین، کراچی

ج : آپ کا سوال بالکل واضح نہیں ہے۔ اگر مسئلہ پاؤں تپنے کا ہے یعنی پیروں میں سے آگ نکلتی ہے تو ہو سکتا ہے کہ محترمہ والدہ صاحبہ کے خون میں شکر ہو یا یہ کہ اُن کا جگر خراب ہو۔ نہ جانے خارش ہے یا کیا۔ مناسب ہے کہ آپ اُن کا علاج کسی معالج سے باقاعدہ کرائیں۔

سفید داغ

س : میری عمر ۱۴ سال ہے۔ ایک مہینے سے میرے بدن پر سفید داغ نمودار ہو رہے ہیں۔ یہ داغ پہلے صرف سینے پر تھے، لیکن اب تیزی سے منھ پر پھیل رہے ہیں۔ علاج سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ عمر دراز خاں خٹک، ٹنڈو محمد خان

ج : ایسا عام طور پر ہضم کی خرابی اور اس کے نتیجے میں فسادِ خون کی وجہ سے ہوتا ہے۔ آپ کو اپنی غذا میں اعتدال لانا چاہیے اور گائے کا گوشت تو بالکل ترک کر دینا چاہیے۔ حلوے پراٹھے بھی مُضر ہوا کرتے ہیں۔ آپ روزانہ ایک خوراک "صافی" ۱۵۔ ۲۰ دن پی ڈالیے۔ اس سے ہضم صحیح ہو کر خون میں اعتدال آجائے گا۔ حیدر آباد میں ہمدرد سے "دوائے خارش سفید" کا ایک پیکنگ لے لیجیے۔ یہ پاؤڈر رات کو سفید دانوں پر لگائیے۔ صبح غسل کر لیجیے۔

میسور کے جنگلوں میں

عبد المجید قریشی

میں اور میری اہلیہ میسور کے جنگلوں میں شکار کھیلنے کی غرض سے بنگلور پہنچے۔ یہاں ہم نے شکار کے لیے ضروری ساز و سامان خریدا اور خانساماں اور باورچی کے علاوہ اوپر کے کاموں کے لیے ایک نوکر کا بھی انتخاب کیا۔ ان باتوں سے فارغ ہو کر ہم نے اپنا تمام سامان باورچی اور نوکر کے ہاتھ ریل گاڑی سے آگے بھجوا دیا اور اگلے دن میں، میری اہلیہ اور خانساماں موٹر سے اُن جنگلوں میں پہنچ گئے، جہاں ہم نے شکار کھیلنے کا پروگرام بنایا تھا۔ ہمارے قیام کے لیے اُن جنگلوں میں گھرا ہوا تیسرے درجے کا ایک ڈاک بنگلہ موجود تھا۔ اس ڈاک بنگلے کا فاصلہ قریبی ریلوے اسٹیشن سے پندرہ میل تھا اور اس کی عمارت دو کمروں اور ایک برآمدے پر مشتمل تھی۔ اس کا ماحول بہت ہی پُرفضا اور خوب صورت تھا، جو مجھے دل سے پسند آیا، لیکن میرے باورچی سائمن نے مجھ سے اختلاف کیا اور کہا کہ صاحب! ایسے ماحول سے خدا کی پناہ، جہاں سانپ بستے ہوں۔ اُس نے بتایا کہ جوں ہی میں نے باورچی خانہ کھولا دیکھا کہ چولھے میں ایک سانپ کنڈلی مارے بیٹھا ہے، جو مجھے دیکھ کر بھاگ گیا۔ صاحب میں تو اُس وقت سے بہت ہی ڈر رہا ہوں۔ میں نے سائمن کی بات سُن کر قہقہہ لگایا اور کہا، "سائمن، ابھی کچھ دیر پہلے تو سانپ خود ہی تم سے ڈر کر بھاگا ہے، حیرت ہے کہ اب تم اُس سے ڈر رہے ہو"۔ کہنے لگا، "صاحب! حیوان کا کیا اعتبار، خدا ان بلاؤں سے محفوظ رکھے"۔ میں نے سائمن کے دل سے سانپ کا خوف نکالنے کی بڑی کوشش کی، لیکن ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہو گیا ہے اور اُس کا یہاں ٹکنا ممکن نہیں ہے۔

شام کو میں نے ایک مقامی شکاری کو بُلا بھیجا۔ یہ شکاری جس کا نام گوپال تھا جب میرے سامنے آیا تو پہلی نظر میں وہ مجھے اچھا نہ لگا۔ وہ پچاس پچپن برس کا ایک بوڑھا آدمی تھا اور سُست معلوم ہوتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے فیصلہ کیا کہ میں اسی شخص سے کام چلانے کی کوشش کروں گا چناں چہ میں نے اسے اپنے پاس بٹھا لیا اور اُس سے شکار کے متعلق مختلف معلومات حاصل کرنے لگا۔ اُس نے بتایا کہ اس علاقے میں شیر، چیتے اور ریچھ کافی تعداد میں موجود ہیں اور یہ کہ وہ خود بھی ایک اچھا

تجربے کار شکاری ہے اور شکار کی مہم میں وہ میرے لیے بہترین معاون اور مددگار ثابت ہوگا۔ اس بات چیت کے خاتمے پر میں نے اُس کو بیس رُپے دیے تاکہ وہ دو بیل خرید لائے۔ (یاد رہے کہ یہ ساٹھ برس پہلے کی بات ہے جب سستائی بہت تھی)

گوپال کے جانے کے بعد گاؤں کا نمبردار مجھ سے ملنے کے لیے آگیا۔ اس نے بتایا کہ گوپال ایک ناقابلِ اعتبار اور غیر ذمے دار آدمی ہے، اُسے شراب اور جوئے سے بھی رغبت ہے۔ ایسے حالات میں میں نے اُسے اپنا مددگار بنا کر اچھا نہیں کیا۔ میں نے نمبردار کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا ہوگیا۔ بہرحال اُس کی آزمائش ہونے میں کچھ زیادہ وقت نہیں لگے گا۔ زیادہ سے زیادہ کل تک پتا چل جائے گا۔ نمبردار رخصت ہوا اور میں اپنے بستر پر لیٹ کر شیر، چیتوں اور ریچھوں کے خواب دیکھنے لگا۔

اگلے دن دوپہر کے وقت گوپال دو بیل خرید کر واپس آگیا۔ یہ دونوں بوڑھے بیل اس قدر کم زور تھے کہ پھونک پھونک کر قدم رکھتے تھے۔ میں اپنی جگہ حیران و پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ کیا اس علاقے کے شیر اور چیتے اس قدر بے وقوف ہوں گے کہ ہماری اس حقیر قربانی کو اپنی جان عزیز کے عوض بصدِ شکر یہ قبول کر لیں گے۔ جوں جوں میں اس معاملے پر غور کرتا تھا، میری غیر یقینی اور بے اطمینانی میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔

شام کو غروبِ آفتاب سے کچھ قبل میں گوپال کے ساتھ باہر نکلا تاکہ ہم جنگل میں اُن مناسب مقامات کا انتخاب کر سکیں جہاں ہمیں اس رات بوڑھے بیلوں کی شکل میں اپنی قربانیاں شیروں اور چیتوں کی خدمت میں پیش کرنی تھیں۔ میں نے دو جگہیں پسند کیں اور گوپال سے کہا کہ وہ ان مقامات پر بیلوں کو بندھوا دے۔ گوپال نے "جی ہاں" کہہ کر سر ہلایا اور کہا کہ وہ ابھی دونوں بیلوں کو یہاں لا کر بندھوا دے گا۔ چناں چہ میں اور گوپال دونوں کیمپ میں آگئے۔

صبح کی چائے کے بعد سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ گوپال کو ساتھ لیا اور اُن مقامات کا رُخ کیا جہاں میں نے رات کو گوپال کو بیل بندھوانے کے لیے کہا تھا۔ پہلی جگہ پہنچا تو دیکھا کہ بیل ندارد ہے نہ صرف بیل بلکہ اُس کے کُھروں کے نشانات بھی اور نہ زمین پر کوئی ایسی علامات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا کہ بیل کی لاش کو یہاں سے گھسیٹا گیا ہے۔ میں نے گوپال سے پوچھا کہ کیا معاملہ ہے؟ میرے سوال نے اُس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار پیدا کر دیے۔ کہنے لگا کہ "صاحب بیل

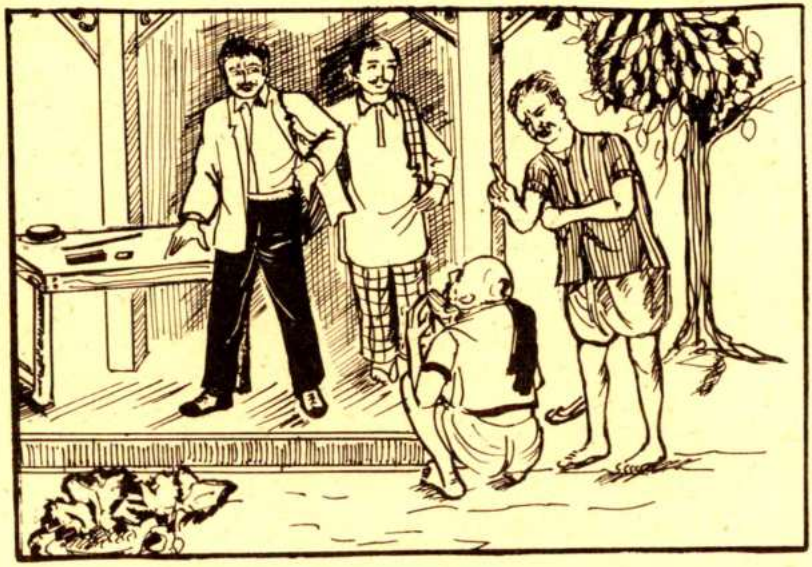

تھکا ہوا تھا، وہ یہاں تک نہ پہنچ سکا۔ چناں چہ اُس کو راستے میں ایک اور جگہ باندھ دیا گیا تھا۔ یہ جگہ ایسی تھی کہ جہاں شیر یا چیتے کے آنے کا امکان ہی نہ تھا۔ یہی حال دوسرے بیل کا ہوا، وہ بھی نہیں باندھا گیا۔ پوچھا تو کہا کہ "اس کے پاؤں میں ایسی چوٹ لگی ہے کہ وہ قدم ہی نہیں اُٹھا سکتا اور اس وقت وہ اُس کے گھر میں موجود ہے۔"

گوپال کی ان حرکتوں سے میرا خون کھول اُٹھا اور میں غصّے سے دیوانہ ہو گیا۔ میں نے گوپال کو مُرغا بنا کر اُس کے وہ جوتے لگوائے کہ تمام عمر یاد ہی کرے گا۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد مجھے اُس کی ضرورت نہ تھی۔ چناں چہ میں نے اُس پر لعنت بھیجی اور کیمپ سے نکال باہر کیا۔ مجھے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ اُس نے پندرہ رُپے میں یہ دونوں بوڑھے بیل خریدے اور پانچ رُپے جُوئے میں اُڑا دیے تھے۔

اگلے روز میں محکمۂ جنگلات کے ایک افسر سے ملا، جنھوں نے بڑی مہربانی سے میرے لیے ایک نوجوان شکاری کا انتظام کر دیا۔ یہ شخص واقعی ایک عمدہ شکاری تھا اور ان جنگلوں کے چپّے چپّے سے واقف تھا۔ ہم نے اُسی دن دو اچھی قسم کے بیل خریدے اور شام سے پہلے پہلے انھیں مناسب مقامات پر بندھوا دیا تاکہ رات کو کوئی شیر یا چیتا ہماری اس قربانی کو قبول کر لے۔

صبح معلوم ہوا کہ ہماری ایک قربانی قبول کرلی گئی ہے۔ درندے کے پنجوں کے نشانات سے واضح ہوتا تھا کہ حملہ آور شیر ہے۔ چناں چہ میں نے اپنے ساتھی شکاری سے کہا کہ رات کو مچان پر بیٹھنے کے بجائے ابھی سے ہانکا کرایا جائے۔ نمبردار کی کوششوں سے کوئی پچاس کے قریب آدمی اکٹھے ہوگئے اور ہانکا شروع ہوا۔ میرا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔ شیر قریب ہی موجود تھا، لیکن ہماری بدقسمتی کہ وہ ہانکا کرنے والوں کا حلقہ توڑ کر صاف نکل گیا اور ہم روتے پیٹتے رہ گئے۔

رات کو ہمارا دوسرا بیل بھی مارا گیا۔ اسے مارنے والی ایک شیرنی تھی۔ ہم نے ایک مرتبہ پھر ہانکا کرانے کا انتظام کیا، لیکن یہ شیرنی بھی ہمیں جُل دے گئی۔ ان دونوں ناکامیوں کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب مجھے مچان پر بیٹھ کر ان شیروں سے نمٹنا چاہیے۔

ہم لوگ کیمپ کو لوٹ رہے تھے کہ راستے میں بھورے تیتروں کی چیخ و پکار نے میری توجہ اپنی طرف مبذول کرلی۔ میں نے اپنی بندوق سنبھالی اور فائر کیا۔ اس حملے میں چار پرندے زخمی ہوکر پھڑپھڑانے لگے۔ ہم نے دوڑ کر انھیں قابو میں کرلیا۔ آج ہمارے پاس گوشت بھی ختم ہوگیا تھا۔ چناں چہ اس عطیۂ قدرت پر بڑی مسرت ہوئی۔ سائمن نے انھیں بڑی عمدگی سے پکایا اور رات کو جب وہ بُھنی ہوئی صورت میں ہماری میز پر آئے تو بھوک چمک اُٹھی۔

صبح جب ہم اپنے بنگلے سے باہر نکلے تو میں نے بنگلے کے اِرد گرد ایک چیتے کے قدموں کے نشانات

دیکھے۔ میں نے ارادہ کیا ہوا تھا کہ آج رات کو اگر وہ آیا تو اُس سے دو دو ہاتھ کروں گا۔ اب جوں ہی میں بنگلے میں داخل ہوا سائمن اور خانساماں ڈیوڈ بھاگے ہوئے میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ صاحب! ہمیں پتا چلا ہے کہ رات کو یہاں ایک چیتا بھی آیا تھا۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا، "مجھے معلوم ہے۔ اگر آج بھی وہ آیا تو میری یہ کوشش ہوگی کہ بچ کر نہ جانے پائے۔"

میں نے اُسی شام ایک بکری خریدی اور رات کو کھانے سے فارغ ہو کر میں نے اُسے بنگلے کے باہر میدان میں ایک درخت سے بندھوا دیا۔ بنگلے کی تمام بتیاں بجھوا کر میں اپنے کمرے میں رائفل لے کر بیٹھ گیا۔ کمرے کی کھڑکی سے ذرا فاصلے پر چاند کی مدھم روشنی میں بکری مجھے نظر آ رہی تھی۔ تنہائی کے احساس سے بکری زور زور سے ممیا رہی تھی اور مجھے امید تھی کہ چیتا بکری کی آواز پر ضرور آئے گا۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد ایک گیدڑ اپنے مخصوص خوف زدہ لہجے میں چیخ اُٹھا۔ گیدڑ ایسی آواز اُس وقت نکالتا ہے جب وہ کسی درندے کو دیکھ رہا ہو۔ میں چوکنا ہو گیا کہ چیتا اب آیا ہی چاہتا ہے۔ بہ مشکل دس منٹ گزرے تھے کہ چیتا آن پہنچا۔ وہ خاموش قدموں سے بکری کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اُسے آتے دیکھ کر بکری خاموش ہو گئی اور اُس نے ممیانا بند کر دیا، اُدھر چیتا بکری پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہا تھا اِدھر میری رائفل اُس کے استقبال کے لیے تیار تھی۔ میں بازی لے گیا۔ میں نے ٹریگر دبایا اور اپنے رائفل کی دونوں گولیاں اُس کے پہلو میں اُتار دیں۔ میرا وار کام یاب رہا اور چیتا وہیں ڈھیر ہو گیا۔

میرا خیال تھا کہ چیتے کی موت پر سائمن اور ڈیوڈ دونوں خوشی کا اظہار کریں گے، لیکن کیسی خوشی! انھوں نے کہا تو یہ کہا کہ صاحب ابھی تو آپ نے ایک ہی چیتا مارا ہے، نہ جانے اس جنگل میں اور کتنے چیتے ہوں گے۔ ہمیں اگر یہ معلوم ہوتا کہ ہمیں شیروں، چیتوں اور سانپوں کے درمیان رہنا ہوگا، تو ہم کبھی آپ کے ساتھ نہ آتے۔ موت تو جب آئے گی تب آئے گی، لیکن ہم ابھی ان شیروں، چیتوں اور سانپوں کے ہاتھوں مرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ میں نے ایک مرتبہ پھر ان لوگوں کو حوصلہ رکھنے کی تلقین کی، لیکن بے سود! بھلا جو لوگ سانپ دیکھ کر ڈر گئے ہوں وہ شیر اور چیتوں سے کیسے خوف زدہ نہ ہوتے۔

اگلی صبح میں نے ان لوگوں کو تنخواہ تقسیم کی، لیکن انھیں تنخواہ دے کر میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا۔ وہ دن تو خیریت سے گزر گیا، لیکن اگلی صبح جب میں نے چائے کے لیے ڈیوڈ کو پکارا تو میری ہی آواز نے صدائے بازگشت بن کر میرا منھ چڑایا۔ میں بستر سے اُٹھا اور باورچی خانے کی طرف گیا، لیکن آہ! چولھا ٹھنڈا پڑا تھا اور چائے کی کیتلی جسے اس وقت خوشی سے گنگنانا چاہیے تھا ایک طرف لڑھکی پڑی تھی۔

ہمارے تینوں مہربان ملازم صبح سویرے ہمیں داغِ مفارقت دے کر رخصت ہو چکے تھے۔ میں دِل برداشتہ باورچی خانے سے واپس آیا اور بیوی کو بھی اس خوش خبری میں شریک کیا۔

ہم نے چائے تو اسٹوو پر تیار کر لی، لیکن ناشتہ جب تیار کرنے لگے تو معلوم ہوا کہ دنیا میں اس سے مشکل اور ناخوش گوار کام اور کوئی نہیں ہے۔ میں جس کے ہاتھ میں اس وقت رائفل ہونی چاہیے تھی، پیاز کاٹ رہا تھا۔ آلو چھیل رہا تھا اور اپنی بیوی کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ میری بیوی ہر چند کہ عورت تھی، لیکن اُسے بھی اس کام کا کوئی تجربہ نہ تھا۔ اُس نے بھی ابھی تک پکا پکایا ہی کھایا تھا۔ اب ناشتا یوں تیار ہوا کہ پیاز جل کر خاک ہو گئی، آلو ادھ گلے رہے اور گوشت کچّا پکّا رہا۔ میں سائمن اور ڈیوڈ کو گالیاں دے رہا تھا اور میری بیوی ہنس ہنس کر دُہری ہوئی جا رہی تھی۔

ناشتے سے فارغ ہو کر میں نے پہلا کام یہ کیا کہ کار میں سوار ہو کر نزدیکی تار گھر گیا، جہاں سے بنگلور تار دیا کہ میرے لیے باورچی اور خانساماں بھیج دیے جائیں۔ اُن لوگوں کی آمد تک میں شیر چیتوں کا ذکر بھول چکا تھا اور مجھ پر ناشتا اور کھانا مصیبت بن کر نازل ہو چکا تھا۔ شکر ہے، بنگلور سے نئے ملازم میری توقع سے کسی قدر جلد ہی یہاں پہنچ گئے۔ مجھے اُن کے آنے کی اس قدر خوشی ہوئی کہ جی چاہا انھیں گلے سے لگا لوں۔ انھوں نے جب مجھے اپنی کارکردگی کے سرٹیفکیٹ پیش کیے تو میں نے اُن پر نظر ڈالے بغیر ایک طرف ڈال دیا۔ میں نے اُن سے کہا کہ میرے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ کل صبح جب میں بستر پر لیٹا ہوا ہوں تو وہ مجھے گرما گرم چائے کا ایک کپ پلوا دیں۔

شکر ہے، مجھے اس مصیبت سے نجات ملی اور میرے تصوّر میں پھر شیر اور چیتے اُبھر آئے۔ چاند ان دِنوں خوب نِکھر کر نکل رہا تھا اور رات کے شکار کے لیے فضا بہت سازگار تھی۔ میں نے ایک بیل منگوا کر اُسی جگہ بندھوا دیا جہاں میں پہلے بھی بندھوا چکا تھا۔ اُسی رات کو شیر نے بیل کو مار ڈالا اور اُس کا کچھ حصّہ کھا بھی لیا۔ اگلے دن شام کو پانچ بجے ہم لوگ بیل کی لاش کے قریب مچان پر جا بیٹھے کہ اگر ضروری ہوا تو ہم رات بھی یہیں گزار دیں گے۔ نو بجے کے قریب ایک سانبھر نے خطرے کی گھنٹی بجائی اور ہم تیار ہو بیٹھے۔ کوئی آدھ گھنٹے کے بعد میں نے دیکھا کہ ایک شیر جھاڑیوں میں سے برآمد ہو رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ بیل کی لاش کے قریب آ گیا۔ وہ اِدھر اُدھر دیکھ کر اطمینان کر رہا تھا کہ کہیں کوئی خطرہ تو موجود نہیں ہے۔ یکایک میری رائفل نے شُعلہ اُگلا، گولیاں صحیح نشانے پر پڑیں۔ شیر خوف ناک انداز میں دھاڑا، مگر پلٹا کھا گیا اور پھر نہ اُٹھ سکا۔ یہ شیر بہت خوب صورت جانور نکلا۔ میں نے ناپا تو وہ

پورے دس فیٹ لمبا تھا۔

شیر کا قصّہ ختم ہوا تو میری تمام تر توجہ شیرنی کی طرف مبذول ہو گئی۔ مجھے میرے تجربے اور مشاہدے نے بتایا کہ یہ شیرنی شیر سے کہیں زیادہ ہوشیار اور چالاک ہے۔ اُس نے رات کو ہمارے باندھے ہوئے دوسرے بیل کو بھی مار ڈالا اور اُس کی لاش کو کھینچ کر قریب ہی گنجان درختوں میں گھرے ہوئے ایک گہرے نالے میں لے گئی، چوں کہ یہاں مچان باندھنے کا کوئی موقع ہی نہ تھا اس لیے مجھے یہ مشورہ دیا گیا کہ بیل کی لاش کو یہاں سے ہٹا کر کوئی بیس گز کے فاصلے پر کُھلے میدان میں ڈال دیا جائے، جہاں مچان باندھی جا سکتی تھی۔ میں بیل کی لاش کو ہٹانے کے حق میں نہ تھا، کیوں کہ ہمارا یہ اقدام شیرنی کو شک و شبہ میں مبتلا کر سکتا تھا۔ تاہم اس کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہ تھا۔ اب وہی ہوا، جس کا اندیشہ تھا۔ ہم دونوں میاں بیوی مچان پر بیل کی لاش کے قریب بیٹھ گئے۔ تمام رات گزر گئی، مگر وہ کم بخت لاش کے قریب نہ پھٹکی، ویسے وہ رات بھر قریب ہی اِدھر اُدھر پھرتی رہی اور ہم خشک پتوں پر اُس کے چلنے کی آہٹ سنتے رہے۔

اگلی رات ہم نے بیل کی لاش کو وہاں سے ہٹوا دیا اور وہیں ایک زندہ بیل کو باندھ دیا۔ ہمارا خیال تھا کہ اس مرتبہ وہ ہمارے تحفے کو قبول کرے گی، لیکن اُس نے کوئی توجہ نہیں دی۔ ہم صبح مچان سے نیچے اُترے تو دیکھا کہ رات کو وہ ہمارے بیل سے کوئی دس گز کے فاصلے سے گزری تھی اور اُس نے قریبی نالے سے پانی بھی پیا تھا۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اُس نے کسی نہ کسی طور

ہمیں چالان پر دیکھ لیا تھا۔ اس لیے وہ خطرہ محسوس کر کے ہمارے نزدیک آنے سے گریزاں تھی۔

ان حالات سے تنگ آ کر آخر ہم نے چالان کے تکلّف کو دُور کر دیا اور دوسرے دن کافی رات گئے ہم نے اپنے بیل کو پہلی جگہ سے کوئی آدھا میل آگے کُھلے میدان میں ایک درخت سے باندھ دیا کہ اب علی الصبح آ کر دیکھیں گے، کیا نتیجہ نکلا۔ اگر بیل مارا گیا اور شیرنی وہاں موجود ہوئی جس کی کافی اُمید تھی تو ہم ایک مرتبہ پھر قسمت آزمائی کریں گے۔ پروگرام کے مطابق میں اور میرا ساتھی شکاری صبح کاذب کے وقت نکل کھڑے ہوئے۔ شیرنی واقعی موجود تھی۔ بیل مارا جا چکا تھا، لیکن افسوس کہ ہوا کے رُخ نے کام بگاڑ دیا۔ شیرنی کی زبردست قوتِ شامّہ نے اُسے ہماری موجودگی کی خبر دے دی۔ ہماری رائفلیں بھری کی بھری رہ گئیں اور شیرنی ہمیں دیکھ کر فرار ہو گئی۔

میرے شکار کے پرمٹ کی میعاد ختم ہونے میں اب آدھ دن ہی باقی رہ گیا تھا۔ اگرچہ مسلسل ناکامی نے میرا حوصلہ پست کر ڈالا تھا، لیکن آخری لڑائی لڑنے کی تمنّا میرے دل میں بہ دستور موجود تھی۔ میں دیوانہ سا ہو رہا تھا۔ آخر میں نے ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جو میرے لیے جان لیوا بھی ثابت ہو سکتا تھا۔ میں یہ معرکہ تن تنہا سَر کرنا چاہتا تھا۔ میں نے بھینس کا ایک جوان کٹّا خریدا اور ایک مناسب جگہ کا انتخاب کر کے اُسے وہاں ایک درخت سے باندھ دیا۔ اُس سے کچھ فاصلے پر میں نے ایک گڑھا کھدوایا جس میں میں اپنی رائفل لے کر بیٹھ گیا۔ گڑھے کے اوپر کے حصّے کو میں نے درخت کی سبز شاخوں سے ڈھانپ دیا تھا، اس گڑھے میں ظاہر ہے کہ مجھے کوئی آرام چین نہ تھا، تکلیف ہی تکلیف تھی، لیکن میری دیوانگی نے مجھے اس خطرناک مشغلے میں مبتلا کر دیا تھا۔ پھر یہ رات بھی بدقسمتی سے مجھ پر کافی بھاری ہو گئی تھی۔ شیرنی کے انتظار میں صبح کے چھے بج چکے تھے۔ میں نا امید ہوا ہی چاہتا تھا کہ ایسا محسوس ہوا جیسے کٹّا کچھ بے چینی اور سراسیمگی کا اظہار کر رہا ہے۔ ساتھ ہی مجھے اپنے بائیں طرف سوکھے پتّوں پر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں نے شاخوں کو سرکا کر دیکھا، شیرنی آہستہ آہستہ غریب کٹّے کی طرف بڑھ رہی تھی، لیکن اگلے ہی لمحے ایک تیز چھلانگ لگا کر وہ اس پر ٹوٹ پڑی۔ مجھے افسوس ہے کہ میں اپنے کٹّے کو نہ بچا سکا، لیکن میں نے شیرنی سے اُس کی موت کا انتقام ضرور لے لیا تھا۔ میری رائفل سے دو گولیاں یکے بعد دیگرے چلیں اور شیرنی کے کندھے کو چھلنی کرتے ہوئے اُسے موت کے حوالے کر گئیں۔

یہ شیرنی پوری جوان تھی۔ اُس کی لمبائی آٹھ فیٹ چار انچ تھی اور اُس کی کھال بہت ہی خوب صورت تھی جو بیس سال بعد آج بھی میرے ڈرائنگ روم کی زینت ہے۔

تحفے

مُسکراتے جُملے — عظیم اقوال — انوکھے نکتے — دل چسپ تحریریں

ایک کے بدلے دس

مرسلہ: فرخ منظور، حیدر آباد

ابو جعفر ابن خطابؒ سے مروی ہے جن کی نسبت کہا جاتا ہے کہ آپ ابدال میں سے تھے۔ فرمایا کہ میرے دروازے پر ایک سائل آیا۔ میں نے بی بی سے کہا تیرے پاس کچھ ہے۔ انھوں نے کہا چار انڈے ہیں۔ فرمایا اس سائل کو دے دو۔ اس نے دے دیے۔ جب سائل چلا گیا، ایک دوست نے میرے ہاں انڈوں کی پٹاری بھیجی۔ میں نے بی بی سے دریافت کیا کہ اس میں کتنے انڈے ہیں؟ اس نے کہا، تیس ہیں۔ میں نے کہا، تو نے سائل کو چار انڈے دیے تھے۔ یہ حساب پورا نہیں ہوا۔ اس نے کہا، انڈے تو چالیس ہیں، لیکن ٹوٹے ہوئے ہیں۔ بعض لوگوں نے اس کی وجہ بیان کی کہ سائل کو جو انڈے دیے تھے اس میں تین اچھے تھے اور ایک ٹوٹا ہوا تھا۔ ہر ایک کے عوض میں دس دس ملے۔ صحیح کے عوض میں صحیح اور ٹوٹے کے عوض میں ٹوٹے ہوئے۔

وطنِ عزیز

مرسلہ: شجاع الدین انصاری، کراچی

ہمارا وطن گلشنِ حُسن ہے، لیکن یہ گلشن صرف اس صورت قائم رہ سکتا ہے جب خود اس گلشن کے پھول اس کو مکمل کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے مفاد کی خاطر ذاتی مفادات کو نظر انداز کر دیں اور اس کو مکمل دیکھنے کی خواہش میں اپنی زندگی کے خوش گوار لمحات کو خیر باد کہہ دیں تا کہ آنے والی نسلیں اس کے حُسن کا نظارہ کر سکیں۔

ایک شعر

مرسلہ: شاہد محمود ملک، کراچی

بارے دنیا میں رہو غم زدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر کے چلو یاں کہ بہت یاد رہو

— میر

علم و عقل کی باتیں

مرسلہ: فضل ربی راہی، مینگورہ

* خدمت سے خوش قسمتی حاصل ہوتی ہے۔
* جو نصیحت نہیں سُنتا اُسے لعنت ملامت سننے کا شوق ہوتا ہے۔
* اگر روزی عقل سے حاصل کی جاتی تو دنیا کے تمام بے وقوف بھوکے مر جاتے۔ — شیخ سعدیؒ
* ایک بار جب کوئی حصولِ علم کی ابتدا کر دیتا ہے تو اس پر اپنی جہالت کے پہلو عیاں ہو جاتے ہیں اور یہی احساس جہالت ہے جو علم کی طرف لے جاتا ہے۔

— حکیم محمد سعید

* جہنم کی آگ کو وہی آنسو بجھا سکتے ہیں، جو وقت سحر ایک مومن کی آنکھ سے ٹپکیں۔ ـــــ خوشحال خان خٹک

* علم بہت ہے اور انسانی عمر تھوڑی ہے۔ اس لیے تمام علوم کا سیکھنا انسان پر فرض نہیں۔ اس حد تک ضروری ہے، جس سے عمل درست ہو جائے۔ ـــــ نامعلوم

دنیا گول ہے

مرسلہ: علی عباس حسینی

جغرافیہ میں سب سے پہلے یہ بتایا ہے کہ دنیا گول ہے۔ ایک زمانے میں بے شک یہ چپٹی ہوتی تھی، پھر گول قرار پائی۔ گول ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ مشرق کی طرف جاتے ہیں، مغرب کی طرف جا نکلتے ہیں کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔ اسمگلروں، مجرموں اور سیاست دانوں کے لیے بڑی آسانی ہو گئی ہے۔ بطلیموس نے زمین کو دوبارہ چپٹا کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن کام یاب نہیں ہوا۔ پرانے زمانے میں زمین گل محمد کی طرح ساکن ہوتی تھی۔ سورج اور آسمان وغیرہ اس کے گرد گھوما کرتے تھے۔ پھر گلیلیو نامی ایک شخص آیا اور اس نے زمین کو سورج کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ پادری بہت ناراض ہوئے کہ یہ ہم کو کس چکر میں ڈال دیا ہے۔ گلیلیو کو تو انھوں نے قرار واقعی سزا دے کر آئندہ اس قسم کی حرکات سے روک دیا۔ زمین کو البتہ نہیں روک سکے، برابر حرکت کیے جا رہی ہے۔ ـــ ابن انشا

ورق گردانی

مرسلہ: سید مظہر علی، شہداد پور

(۱) اکثر میرے صبر سے دوسروں کی سازشیں بے کار ثابت ہوئیں۔ اگر کینہ ساز کام یاب بھی ہو گئے تو میری شکست میرا قلب اور ضمیر مجروح نہیں کر سکی۔ البتہ صبر تعطل کا نام نہیں ہے۔ کوشش چھوڑ دینا صبر سمجھا جائے تو یہ زہر قاتل ہے۔ کوشش زندگی اور تعطل موت ہے۔"

ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی

(۲) کام یاب اور مطمئن زندگی کے لیے ایمان ایک ضروری جزو ہے۔ یہ ایمان خدا پر ہو یا مذہب پر یا کسی بلند نصب العین پر، اس کے بغیر کام یاب اور مطمئن زندگی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ـــــ حمید نظامی

کتاب

مرسلہ: رانا مقصود انور، جڑانوالہ

* اچھی کتاب انسانی روح کا خالص ترین جوہر ہے۔

* ایک اچھی کتاب تباہ کرنے والا عقل و خرد کا خون کرتا ہے۔

* کتاب کے بغیر انسان کی شخصیت نامکمل ہے۔ کتاب انسان کے وجود کو مکمل اور شخصیت کو جلا بخشتی ہے۔

* جہاں دوست و احباب کی غم خواری ناکام رہتی ہے وہاں کتاب درمانِ دل کا کام دیتی ہے۔

ایک شعر

مرسلہ: محمد سعید خان، سکھر

جینا بھی الزام ہے مرنا بھی الزام ہے
اے کاش ہم اس ملک کے فن کار نہ ہوتے

ـــــ حمایت علی شاعر

حکمت

مرسلہ: احمر شیراز، کراچی

* صفائی نصف ایمان ہے۔
* جہالت افلاس کی بدترین قسم ہے۔
* خاموشی بہت بڑی حکمتِ عملی ہے۔
* زندگی کے تین سنہری اصول یہ ہیں: (۱) سویرے اٹھنا۔ (۲) صاف رہنا (۳) وقت کی پابندی کرنا۔

ہمارا ملک

مرسلہ: طارق وہاب خانزادہ، لعل پور

ایران میں کون رہتا ہے؟
ایران میں ایرانی رہتے ہیں۔
انگلستان میں کون رہتا ہے؟
انگلستان میں انگریز قوم رہتی ہے۔
یہ کون سا ملک ہے؟
یہ پاکستان ہے۔
اس میں پاکستانی قوم رہتی ہو گی؟
نہیں، اس میں پاکستانی قوم نہیں رہتی بلکہ اس میں سندھی قوم رہتی ہے، پنجابی قوم رہتی ہے، پٹھان قوم رہتی ہے۔
لیکن پنجابی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں۔
سندھی تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں، پٹھان تو ہندوستان میں بھی رہتے ہیں۔
پھر یہ الگ ملک پاکستان کیوں بنایا؟ غلطی ہو گئی معاف کر دیں، آئندہ نہیں بنائیں گے۔ ـــــ ابن نشا

آخری الفاظ

مرسلہ: رخسانہ الیاس، کراچی

میرے عزیز دوست موت اٹل ہے، اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ (کمال اتاترک)
میں نہیں جانتا کیا ہو گا، کیا ہو گا۔ (رابندر ناتھ ٹیگور)
روح کے اُٹھنے کا وقت آ گیا۔ (ڈیکارٹ)
مجھے قتل کرنے سے پہلے یہ دائرہ مکمل کرنے دو۔ (ارشمیدس)
میری کوکھ اُجاڑ دو۔ (ایگری پینا)
ایک مرتا ہوا شخص آسانی سے کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ (بنجمن فرینکلن)
اب میں سوؤں گا۔ (لارڈ بائرن)
اُف میرے سر میں درد۔ (ایف ڈی روزویلٹ)
مجھے گانا سُنا دو۔ (مسز سروجنی نائیڈو)
ڈاکٹر، مجھے جانے دو۔ (جارج واشنگٹن)
نبض چلنا بند ہو گئی ہے۔ (ہیلے)
لیکن، لیکن، مسٹر کرنل۔ (مسولینی)
مجھے اندھیرے میں اپنے گھر جاتے ہوئے ڈر لگتا ہے۔ (اوہنری)
اب میں آخری سفر کرنے والا ہوں۔ (ہابس)
الحمد للہ (شیر شاہ سوری)

ہمیشہ بچو

مرسلہ: سید انیلا امام، کراچی

* ماں کے سامنے گستاخی سے۔

* استاد کی نافرمانی سے۔
* لالچی دوست سے۔
* مظلوم کی آہ سے
* خدا کی بے آواز لاٹھی سے۔
* اور خدا کے غضب سے۔

خاموشی

مرسلہ: لبنیٰ شاہین، اسلام آباد

تمھاری گفت گو اگر موتی بھی بکھیر دے تو خاموشی بہتر ہے۔ سیپ کی مانند خاموش رہو، جس میں موتی بھرے ہوتے ہیں۔

گردشِ ایام

مرسلہ: محسن رجب علی، نواب شاہ

سنہ عیسوی سے کہیں زیادہ مشکل اُن تاریخوں کا یاد رکھنا ہے جن میں قبل مسیح آتا ہے۔ اس لیے کہ یہاں مورخین گردشِ ایام کو پیچھے کی طرف دوڑاتے ہیں۔ ان کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ذہنی شیس آسن کرنا پڑتا ہے جو اتنا ہی مشکل ہے جتنا اُلٹے پہاڑے سُنانا۔ اس کو طالب علموں کی خوش قسمتی کہیے کہ تاریخ قبلِ میلادِ مسیح نسبتاً مختصر اور ادھوری ہے۔ اگرچہ مورخین کوشاں ہیں کہ جدید تحقیق سے بے زبان بچّوں کی ملات میں اضافہ کردیں۔ بھولے بھالے بچّوں کو جب یہ بتایا جاتا ہے کہ روم کی داغ بیل ۷۵۳ قبل مسیح میں پڑی تو وہ ننھے مُنّے ہاتھ اُٹھا کر سوال کرتے ہیں کہ اُس زمانے کے لوگوں کو یہ پتا کیسے چل گیا کہ حضرت عیسیٰؑ کے پیدا ہونے میں ۷۵۳ سال باقی ہیں۔ اُن کی سمجھ میں یہ بھی نہیں آتا کہ ۷۵۳ قبل مسیح کو ساتویں صدی شمار کریں یا آٹھویں۔ عقل مند استاد ان جاہلانہ سوالات کا جواب عموماً خاموشی سے دیتے ہیں۔ آگے چل کر یہی بچّے جب پڑھتے ہیں کہ سکندر ۳۵۶ قبل مسیح میں پیدا ہوا اور ۳۲۳ ق م میں فوت ہوا تو وہ اسے کتابت کی غلطی سمجھتے ہوئے استاد سے پوچھتے ہیں کہ یہ بادشاہ پیدا ہونے سے پہلے کس طرح مرا؟ استاد جواب دیتا ہے کہ پیارے بچّو! اگلے وقتوں میں ظالم بادشاہ اسی طرح مرتے تھے۔

—— مشتاق احمد یوسفی

خرابیِ بسیار

مرسلہ: سید فرحت حسین جیلانی، کراچی

ایک فلاسفر کا کہنا ہے کہ تیس سال کی عمر میں ہمیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ دنیا ہمیں کیا کہتی ہے۔ تیس سال کے بعد ہم کسی حد تک سنجیدگی سے یہ جاننے کی کوشش کرنے لگتے ہیں، لیکن چالیس سال کی عمر میں ہم پر یہ راز کُھلتا ہے کہ دنیا کو ہم سے کوئی غرض نہیں اور وہ ہم سے کچھ نہیں کہتی۔

انسانی زندگی

مرسلہ: عظمیٰ رؤف، کراچی

انسانی زندگی مانند حباب ہے۔ پَل میں ابھری پَل میں ڈوبی۔ اس مختصر عرصے میں انسان چمک دار نگینہ بھی بن سکتا ہے اور بے نور کانچ کا ٹکڑا بھی۔ وہی بارش کا قطرہ جو سیپ میں بند رہنے سے آب دار موتی بن کر نکلتا ہے، دلدل میں گرے تو کیچڑ بن سکتا ہے۔

قمرالنساں
حکیم محمد سعید
جہانگیر خان

اسکواش کا کھیل

کچھ دن اپنے دوسرے گھر میں گزارے گا

ساجد علی ساجد

پاکستان میں اس سال "اسکواش ورلڈ اوپن" منعقد ہو رہی ہے۔ اس کی میزبانی کے لیے یوں تو جنوبی افریقہ اور کینیڈا بھی کوشاں تھے، لیکن پاکستان میں اسکواش کی مقبولیت بین الاقوامی میدان میں پاکستانی کھلاڑیوں کی مسلسل کامیابیوں اور کراچی میں منعقد ہونے والے مقابلوں میں ہمدرد اور دوسرے اداروں کی طرف سے قابلِ قدر روایتی مہمان نوازی کے پیش نظر انٹرنیشنل اسکواش پلیئرز ایسوسی ایشن نے اپنے لندن کے اجلاس منعقدہ ۲۰۔اگست ۱۹۸۴ء میں یہ فیصلہ کیا کہ اس سال "ورلڈ اوپن" کراچی میں ہوگی اور اس کے ساتھ ہی یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ آئندہ برسوں میں

بھی ہر سال ایک گریڈ ون چیمپئین شپ پاکستان میں منعقد ہوا کرے گی، جس کے لیے ہمدرد کی طرف سے انعامی رقم مہیّا کرنے کی پیش کش کو بھی شکریہ کے ساتھ قبول کر لیا گیا ہے اور ہمدرد کے عالمی شہرت یافتہ مشروبِ مشرق "روح افزا" کو پاکستان میں منعقد ہونے والے اسکواش کے مقابلوں کے لیے سرکاری مشروب کے طور پر استعمال کیے جانے کی منظوری دی ہے۔

پاکستان میں اس سے قبل پاکستان اوپن ہمدرد ٹرافی کے جو اسکواش مقابلے منعقد ہوئے تھے وہ گریڈ ٹو (دوسرے درجے) کے تھے۔ جن میں مشروبِ مشرق روح افزا سرکاری مشروب کے طور پر استعمال ہو چکا ہے۔ ان مقابلوں کے انتظام کے بارے میں اسکواش کے تمام قومی اور بین الاقوامی کھلاڑیوں نے اپنی غیر معمولی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اب یہ پہلا موقع ہے کہ پاکستان میں گریڈ ون (پہلے درجے) کا ورلڈ اوپن منعقد ہو رہا ہے۔

اس بارے میں ہمدرد کی روح فکر یہ ہے کہ عالمی سطح پر اسکواش کے پاکستانی کھلاڑیوں نے اپنی محنت سے جو اعلا ترین اعزازات حاصل کیے ہیں اس کے لیے اس کھیل اور اس کے کھلاڑیوں کی ہر ممکن مدد اور سرپرستی کی جائے اور صدرِ مملکت کی ان خواہشوں کے احترام میں جو وہ اس بارے میں وقتاً فوقتاً کرتے رہے ہیں ہمدرد نے اسکواش کی مستقل سرپرستی کو قبول کیا ہے۔

اس کی ایک وجہ جناب حکیم محمد سعید کی کھیلوں سے دل چسپی بھی ہے۔ ہمدرد، صحّت کی بحالی اور تحفّظ کے لیے میدانی ورزشوں اور کھیلوں کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۸۱ء، ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۳ء میں "پاکستان اوپن اسکواش چیمپئین شپ ہمدرد ٹرافی" کو نہایت اعلا پیمانے پر منعقد کرانے میں ہمدرد نے بھرپور حصّہ لیا اور اس کے لیے انعامی رقم (پرائز منی) بھی فراہم کرنے کے علاوہ انتظامی اخراجات بھی برداشت کیے۔

اسکواش کے کھیل میں ابتدا ہی سے پاکستان کو اہم پوزیشن حاصل رہی ہے اور غیر معمولی شہرت کے کھلاڑیوں کا تعلق پاکستان ہی سے رہا ہے۔ چناں چہ روشن خان، ہاشم خان، اعظم خان اس کھیل میں ایسے ستارے رہے ہیں جن کی مثال سے متاثر ہو کر ہمارے نوعمر کھلاڑی اس میدان میں آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان میں بین الاقوامی طور پر شہرت یافتہ جہانگیر خان اور ان کے چند ساتھی قمر زماں اور گوگی علاء الدین وغیرہ شامل ہیں۔

دنیا میں اسکواش کا کھیل کب، کہاں اور کیسے شروع ہوا؟ اگر اس سوال کا جواب ڈھونڈا جائے تو

یہ دل چسپ بات معلوم ہوگی کہ سولھویں صدی میں انگلستان کے قیدی فرصت کے وقت کو گزارنے کے لیے گیند کو کسی بلّے نما ڈنڈے سے دیوار پر مارتے رہتے تھے۔ خیال ہے کہ یہ کھیل وہیں سے رہائی پاکر کھلی فضا میں آگیا ہوگا، لیکن تاریخ کی کتابیں جو مصدقہ معلومات فراہم کرتی ہیں اُن کے مطابق چھوٹی سی نرم گیند اور ریکٹ سے ایک کھیل ۱۸۱۷ء میں ہیرو اسکول انگلستان میں کھیلا جاتا تھا، جو اسکواش سے ملتا جلتا تھا۔ مگر اس وقت تک اس کھیل کا کوئی چیمپئن نہیں تھا۔ سب سے پہلے جس کھلاڑی نے اس کھیل میں شہرت حاصل کی وہ فلاڈلفیا کے مسٹر جے۔ اے۔ مسکی تھے، جنھوں نے ۱۹۰۷ء میں امریکا کی غیر پیشہ ورانہ (شوقیہ) سنگلز چیمپئن شپ جیتی۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور اُنیسویں صدی کے شروع میں انگریز فوجی اس کھیل کو برّصغیر کے اس خطّے میں لائے جو آج پاکستان کہلاتے ہیں۔ انھوں نے پشاور کی فوجی چھاؤنی میں اس کھیل کے بیج ڈالے۔ وہاں کی سرزمین اس کھیل کے لیے بے حد زرخیز ثابت ہوئی۔ وہاں سے ہاشم خان سے لے کر روشن خان اور پھر جہانگیر خان تک اسکواش کے کئی عظیم کھلاڑی اُبھرے جنھوں نے اسکواش کی بین الاقوامی دنیا میں پاکستان کا نام روشن کیا۔

۱۹۸۱ء کی ایک یادگار تصویر جب جناب حکیم محمد سعید نے پاکستان اوپن اسکواش چیمپئن شپ برائے ہمدرد ٹرافی ۱۹۸۱ء کا افتتاح کیا تھا۔

آج پاکستان جن کھیلوں میں پہلے نمبر پر ہے ان میں اسکواش بھی ہے اور آج کی یہ برتری جہانگیر خان کی مرہونِ منّت ہے۔

چند سال پہلے تک آسٹریلیا کے جیف ہنٹ اسکواش کی دنیا پر چھائے ہوئے تھے اور انھوں نے اسکواش کا عالمی اعزاز آٹھ مرتبہ جیت کر ہاشم خان کا ریکارڈ توڑ دیا تھا۔ ہاشم خان نے یہ اعزاز سات بار جیتا تھا۔ جہانگیر نے جیف ہنٹ کی کامیابیوں کا یہ سلسلہ ختم کر دیا۔ جہانگیر عمر کی جس منزل میں ہیں اور جس تیزی سے جیت رہے ہیں اسے دیکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ وہ جیف ہنٹ کا ریکارڈ توڑ دیں گے۔

اسکواش کی دنیا میں جہانگیر پاکستان کا نام بلند کیے ہوئے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف ایک آدمی بھی اپنے وطن کو کتنا بڑا نام کما کر دے سکتا ہے۔ اسکواش کی دنیا میں پاکستان کے علاوہ اوسٹریلیا کا نام بھی سامنے آتا رہا ہے، جس نے پانچ مرتبہ "ٹیم ٹائٹل" جیتا تھا۔ اوسٹریلیا کو یہ کامیابیاں بھی اس لیے حاصل ہوئیں کہ ۱۹۶۷ء کے بعد سے جیف ہنٹ جیتتے چلے آ رہے تھے۔

۱۹۷۶ء میں ورلڈ اوپن اسکواش چیمپئن شپ شروع ہوئی اور پہلے سال سے جیف ہنٹ جیتنے لگے اور اس وقت تک جیتتے رہے جب تک کہ ۱۹۸۱ء کے بعد جہانگیر خان میدان میں نہیں آ گئے۔

جیف ہنٹ نے ہی آٹھ مرتبہ برٹش اوپن اسکواش چیمپئن شپ جیتنے کا ریکارڈ قائم کیا۔ ان کو یہ کامیابیاں ۱۹۶۹ء سے ۱۹۸۱ء کے دوران حاصل ہوئیں۔ اس سے پہلے ہاشم خان نے سات مرتبہ یہ ٹائٹل جیتا تھا۔

زنانہ اسکواش

خواتین میں اسکواش کی سب سے زیادہ یعنی سولہ کامیابیاں اوسٹریلیا کی ہیتھر میکے کو ۱۹۶۱ء سے ۱۹۷۹ء تک حاصل ہوئیں۔ ان کا کھیلنے کا کیریئر ۱۹۵۹ء میں شروع ہوا، ۱۹۸۰ء تک جاری رہا اور اس دوران وہ صرف دو بار ہاریں۔

برٹش امیچور اسکواش چیمپئن شپ میں سب سے زیادہ یعنی چھے کامیابیاں مصر کے کھلاڑی عبدالفتح امریے نے ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۳ء اور پھر ۱۹۳۵ء تا ۱۹۳۷ء کے دوران حاصل کیں۔ بعد میں وہ لندن میں مصر کے سفیر بھی مقرر کیے گئے۔

جہانگیر خان، میر احمد علی تالپور، قمر الزماں اور ڈاکٹر حافظ محمد الیاس

سب سے چھوٹے اور سب سے لمبے میچ

ابھی تک سب سے لمبا میچ جو رکارڈ کیا گیا ہے وہ برٹش امیچور چیمپین شپ میں کھیلا گیا۔ ویمبلے انگلستان میں ۱۹۔ دسمبر ۱۹۷۶ء کو کھیلا جانے والا یہ میچ دو گھنٹے ۳۵ منٹ تک کھیلا گیا۔ یہ میچ خاتون کھلاڑیوں نے کھیلا جس میں نیوزی لینڈ کی مرے للی نے برطانیہ کی بیری او کونر کو ۳۔۹، ۸۔۱۰، ۹۔۲، ۹۔۷ اور ۸۔۱۰ سے شکست دی۔ اس کا دوسرا گیم ۵۸ منٹ تک چلا جس میں ۹۸ لیٹ کال (LET CALL) دی گئیں۔ یہ کال اُس وقت دی جاتی ہے جب ایک کھلاڑی دوسرے کھلاڑی کے راستے میں آجاتا ہے۔

سب سے مختصر میچ صرف ساڑھے نو منٹ جاری رہا جس میں ڈیانا مرے نے کرسٹائن ریس کو لیڈیز ویلش ٹائٹل میچ میں ۲۱۔ اکتوبر ۱۹۷۹ء کو ہرا دیا۔

میراتھن میچ

یعنی وہ میچ جس میں مسلسل کھیلتے رہنے کا رکارڈ قائم ہوا۔ یہ میچ جارج ڈیبو نسلے نے جنوبی

افریقہ میں بکم تا پانچ اکتوبر ۱۹۷۸ء کو ولیم ڈی وئن کے خلاف کھیلا۔ یہ دونوں ۱۰۶ گھنٹے ۳۴ منٹ تک کھیلتے رہے، یہاں تک کہ کھیلتے کھیلتے بے ہوش ہو گئے۔ دیکھنے والے دیکھتے دیکھتے بیزار ہو گئے اور لوگوں نے انھیں مزید کھیلنے سے روکا۔

اسکواش کے میدان میں پاکستانی کھلاڑیوں کی پے در پے کامیابیوں کے پیش نظر حالیہ برسوں میں پاکستان میں لوگوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ جب پاکستانی کھلاڑی دنیا میں اسکواش چیمپئن ہیں تو پاکستان کو اسکواش کے عالمی مقابلوں کی میزبانی کرنی چاہیے۔ اسی مقصد سے پاکستان میں اسکواش کے بین الاقوامی مقابلے شروع ہوئے اور آئندہ کے لیے بھی زبردست مقابلوں کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

نومبر ۱۹۸۴ء میں کراچی میں ورلڈ اوپن ہمدرد ٹرافی اور اسکواش ریکٹ کے دو اور دل چسپ مقابلے ہونے والے ہیں۔ ان میں سب سے بڑے مقابلے ورلڈ اوپن کو ہمدرد اسپانسر کرے گا اور اس کے لیے ۳۵ ہزار پونڈ کی بڑی انعامی رقم رکھی گئی ہے۔

اس کے بعد پاکستان اوپن اسکواش ہو گی جس کے لیے بیس ہزار پونڈ کی انعامی رقم رکھی گئی ہے جو سِول ایوی ایشن کے ادارے کی طرف سے ہو گی۔ پی آئی اے ماسٹرز کی انعامی رقم پندرہ ہزار پونڈ رکھی گئی ہے۔

پاکستان اسکواش فیڈریشن نے کافی لمبا پروگرام بنایا ہے۔ جس کے تحت چھے ٹورنامنٹس ۱۹۸۷ء میں پاکستان میں ہوں گے۔ ان مقابلوں کا مقصد یہ ہے کہ اسکواش ریکٹس کی دنیا کی ایک نام ور قوم اپنی ذمے داریاں پوری کرے اور مقامی شائقین کو اسکواش کے اچھے مقابلے دیکھنے کو مل سکیں۔ انگلستان اسکواش کا پہلا گھر ہے اس اعتبار سے یہ کھیل اب کچھ دن اپنے دوسرے گھر یعنی پاکستان میں گزارے گا۔

---

* دنیا میں غبارے کے ذریعہ سے سب سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کا رکارڈ امریکا کی ریاست کیلے فورنیا کے شہر اتھرٹن میں قائم ہوا۔ ۲۱۔ مئی ۱۹۷۲ء کو بچّوں کے کھیلنے کا غبارہ شہر اتھرٹن سے اُڑایا گیا، جو نو ہزار میل یعنی (۱۴۵۰۰ کیلو میٹر) کا فاصلہ طے کر کے ۱۰۔ جون ۱۹۷۲ء کو جنوبی افریقہ کے شہر پیٹر میرٹزبرگ میں جا کر گرا۔

* دنیا میں ایک ساتھ سب سے زیادہ غبارے اُڑانے کا رکارڈ ۱۵۔ جنوری ۸۲ء میں امریکا کے شہر لاس ویگاس میں سینڈ ہوٹل کے دوبارہ کُھلنے کے موقع پر قائم ہوا۔ اس موقع پر ۲۰۸۴۷ بلون بہ یک وقت اُڑائے گئے۔

سلسلہ ۲۲۳

معلوماتِ عامہ

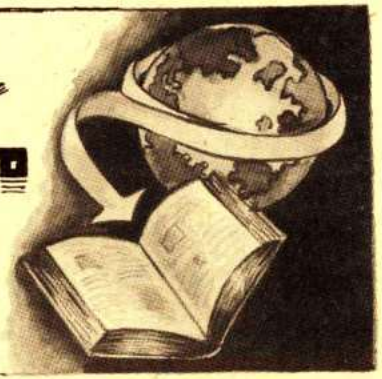

نیچے لکھے ہوئے سوالات کے جوابات ۱۵، نومبر ۸۴ء تک ہمیں بھیج دیجیے اور ان پر معلوماتِ عامہ ۲۲۳ ضرور لکھ دیجیے۔ جوابات الگ کاغذ پر نمبروار لکھیے اور آخر میں اپنا نام اور پتا بھی لکھیے۔ تصویر کے پیچھے اپنا نام اور اپنے شہر یا قصبے کا نام ضرور تحریر کریں۔

۱۔ کیا قرآن مجید کی اس سُورت کا نام آپ کو معلوم ہے جس میں صرف ایک بار زیر آیا ہے؟
۲۔ چار جنوری ۱۹۳۱ء کو تحریکِ آزادی اور مسلم لیگ کے کس رہنما کا انتقال ہوا تھا؟
۳۔ برّصغیر (پاکستان و ہندُستان) کے سب سے اونچے مینار کا نام تو آپ کو معلوم ہوگا؟
۴۔ برّصغیر کی پہلی جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہد جنرل بخت خاں کے باپ کا نام کیا تھا؟
۵۔ رقبے کے لحاظ سے پاکستان کا سب سے بڑا صوبہ کون سا ہے؟
۶۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ دریائے نیلم کہاں واقع ہے؟
۷۔ آر۔ سی۔ ڈی (R.C.D.) کے پہلے پاکستانی سکریٹری جنرل کا نام تو آپ کو یاد ہوگا؟
۸۔ سابق عالمی ہیوی ویٹ چیمپئن محمد علی جو آج کل بیمار ہے کس سنہ میں پیدا ہوا تھا؟
۹۔ جمعیت العلمائے اسلام سب سے پہلے کس نے قائم کی تھی؟
۱۰۔ آپ انڈونیشیا کے سب سے بڑے جزیرے کا نام بتا سکتے ہیں؟

اخبار نونہال

ہم چاہتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اخبار نونہال کی خبریں معتبر اور مستند ہوں تاکہ ہر ایک یہ کہہ سکے کہ اخبارِ نونہال میں یہ خبر یا معلومات آئی ہے تو ضرور صحیح ہوگی، لیکن بعض نونہال خبر کے ساتھ یا تو تراشہ نہیں بھیجتے یا تراشے پر اخبار کا نام و تاریخ لکھنی بھول جاتے ہیں۔ جس اخبار سے آپ تراشہ کاٹیں اُس کا نام، شہر کا نام اور اخبار کی تاریخ ضرور تراشے پر یا تراشے کو کاغذ پر چپکا کر نیچے لکھ دیا کیجیے۔ بعض نونہالوں کی بھیجی ہوئی خبریں اچھی ہونے کے باوجود حوالہ نہ ہونے کی وجہ سے شائع نہیں ہوتیں۔ اگر کسی کتاب سے آپ نے معلومات لی ہے تو کتاب کے نام کے علاوہ صفحے کا نمبر بھی لکھ دیا کیجیے۔

مدیر اعلا۔

چینی حروفِ تہجّی والی مچھلی

چینی سائنس دانوں نے مچھلیوں پر برسوں کے تجربات کے نتیجے میں مچھلی کی ایک ایسی قسم پیدا کر لی ہے جس پر چینی زبان کے حروفِ تہجّی کھدے ہوئے ہیں۔ مرسلہ: روبینہ جھلن، اشکار پورہ

پتھری ختم کرنے والا آلہ

امریکی ڈاکٹروں نے انکشاف کیا ہے کہ آئندہ چند ماہ میں ایک ایسے آلے کی آزمائش کی جائے گی جس کے ذریعہ سے گُردے کی پتّھری آپریشن کے بغیر ضائع کی جا سکے گی۔ نئے طریقے سے پتّھری کو لہروں

کے ذریعہ سے ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا، لیکن اس سے مریض کو کوئی تکلیف نہیں پہنچے گی۔ یہ آلہ میونخ یونی ورسٹی کے ڈاکٹر سیچٹین شاؤسی نے تیار کیا ہے اور اس سے اب تک مغربی جرمنی میں ایک ہزار سے زیادہ مریضوں کا علاج کیا جا چکا ہے اور ۹۹ فی صد کام یابی ہوئی ہے۔

مرسلہ: محمد حبیب القادر، ملتان

دو دل

اٹلی کے باشندے آگیٹنو کولی کے دو دل اور بارہ انگلیاں ہیں۔ ایک دل جب تیز دھڑکتا ہے تو دوسرے کی دھڑکن مدھم ہو جاتی ہے۔ دو دلوں کی وجہ سے وہ کبھی بیمار نہیں ہوا۔ ۳۴ سال کی عمر میں وہ مضبوط جسم کا انسان ہے۔ وہ کئی آدمیوں سے زیادہ وزن اُٹھا سکتا ہے۔ اپنی طاقت کا مظاہرہ کر کے وہ کافی دولت کما سکتا ہے، لیکن اس نے یہ راستہ پسند نہ کیا اور ایک انجینئر کی زندگی بسر کرنی پسند کی۔

مرسلہ: افتخار نور خان، کراچی

طویل ترین مسکراہٹ

کنیڈا کی ایک بارہ سالہ لڑکی نے طویل ترین مسکراہٹ کا مظاہرہ کیا۔ ایک ڈینٹل ایسوسی ایشن کی جانب سے ہونے والے مقابلے میں بارہ سالہ لیزا ایسٹر نے دس گھنٹے اور پانچ منٹ تک مسکرا کر مسکراہٹ کا گزشتہ عالمی ریکارڈ توڑ دیا، جو ۷ گھنٹے ۲۲ منٹ تھا اور نیا عالمی ریکارڈ قائم کر کے یہ مقابلہ جیت لیا۔

مرسلہ: معراج یاسمین اعظم، ڈیرہ اسماعیل خاں

عجیب گاؤں

نیو ساؤتھ ویلز میں ایک عجیب و غریب گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے تمام مکان لکڑی کے بنے ہوئے ہیں اور ہر مکان کے نیچے پہیے لگے ہوئے ہیں۔ جس جگہ یہ گاؤں واقع ہے وہاں اکثر سیلاب آتے رہتے ہیں۔ جب گاؤں والوں کو سیلاب کا خطرہ ہوتا ہے تو وہ اپنے مکانوں کو موٹروں کے پیچھے باندھ کر خطرے کی حد سے دُور لے جاتے ہیں۔ سیلاب اُتر جاتا ہے تو پھر واپس آجاتے ہیں۔ اس گاؤں میں دو سو مکانات ہیں اور اس کی آبادی دو ہزار کے قریب ہے۔

مرسلہ: جاوید اقبال، بہاء الدین گلا ڈھیر

قیمت میں اضافہ

آپ کو معلوم ہے کہ ہمدرد نونہال بچّوں کا سب سے مقبول رسالہ ہونے کے علاوہ سب سے کم قیمت رسالہ بھی ہے اور اس کی قیمت اس لیے کم رکھی گئی ہے کہ یہ زیادہ سے زیادہ بچّوں تک پہنچ سکے اور وہ اس سے لُطف اور فائدہ حاصل کر سکیں، لیکن آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ مہنگائی بڑھتی جا رہی ہے۔ ہر چیز کی قیمتیں بڑھ گئی ہیں، اس لیے ہمدرد نونہال کی قیمت میں ہمیں مجبوراً اضافہ کرنا پڑ رہا ہے۔ جنوری ۱۹۸۵ء سے ہمدرد نونہال کے ایک شمارے کی قیمت چار رُپے ہو گی۔ سالانہ قیمت پینتالیس (۴۵) رُپے ہو گی۔ جو لوگ رجسٹری سے رسالہ منگوانا چاہتے ہیں اُن کو تین رُپے ماہانہ کے حساب سے مزید ۳۶ رُپے بھجوانے ہوں گے، یعنی سال کے لیے اُن کو کُل اکیاسی (۸۱) رُپے ادا کرنے ہوں گے۔

آپ کو یاد ہو گا کہ یہ اضافہ ہم چار سال کے بعد کر رہے ہیں، اس عرصے میں بعض دوسرے رسالوں کی قیمتیں ایک سے زیادہ مرتبہ بڑھ چکی ہیں، اس لیے ہمیں اُمید ہے کہ ہمارے قارئین اس اضافے کو خوشی سے قبول کر کے ہمیں رسالے کو اور زیادہ اچھا بنانے میں مدد کریں گے۔

ایک قیمتی تحفہ، مگر بلا قیمت

بڑے لوگوں اور اپنی محبوب و پسندیدہ شخصیتوں کے دستخط اور تحریریں (آٹو گراف) جمع کرنا بچّوں کا دل چسپ مشغلہ ہے۔ آٹو گراف کے لیے "آٹو گراف بُک" بھی ضروری ہوتی ہے۔ ہمدرد نے پاکستان کے پیارے بچّوں کے لیے ایک خوب صورت اور عمدہ "آٹو گراف بُک" تیار کی ہے۔ ہماری درخواست پر ہمدرد نے یہ حسین بُک ہمدرد نونہال پڑھنے والے بچّوں کو تحفے کے طور پر دینا منظور کر لیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ہمدرد نونہال کے خریدنے والے ہزارہا ہیں، اس لیے اس کی تیاری کچھ وقت لے گی۔ ہم اِن شاء اللہ جنوری ۱۹۸۵ء کے شمارے کے ساتھ یہ قیمتی تحفہ آپ کو پیش کر سکیں گے۔ جنوری ۱۹۸۵ء کا ہمدرد نونہال جہاں سے بھی خریدیں اس کے ساتھ "ہمدرد آٹو گراف بُک" ضرور لیں اور اس کی کوئی قیمت نہ ادا کریں۔ ہمدرد نونہال فروخت کرنے والے ہر اسٹال، ایجنسی، اخبار فروش، شاپ کو یہ آٹو گراف بُک ارسال کر دی جائے گی، اس سے وہ یہ تحفہ ہمدرد نونہال کے ساتھ آپ کو پیش کریں گے۔

نونہال مصوّر

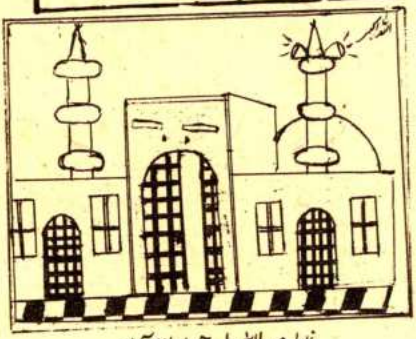

نبیلہ عبداللہ بلوچ، اسلام آباد

صغیر شاہد انصاری، کراچی

واجدہ یاسمین، کراچی

شگفتہ شاہ، حیدرآباد

سعدیہ بانو، کراچی

مُسکراتے رہو

* پہلا پڑوسی: آپ کا کتا بہت نالائق ہے۔

دوسرا پڑوسی: کیا ہوا؟

پہلا پڑوسی: جیسے ہی میں گانا شروع کرتا ہوں یہ بھونکنا شروع کر دیتا ہے۔

دوسرا پڑوسی: اس میں کتے کا کیا قصور ہے، ابتدا تو آپ ہی کرتے ہیں۔

* فائزہ: کیا کوئی ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اللہ میاں کے پاس جا سکتا ہے؟

فواد: ہاں۔

فائزہ: کس طرح؟

فواد: جہاز کے بلند ہوتے ہی کھڑکی سے چھلانگ لگا کر۔

مرسلہ: روبی داؤد، کراچی

* ایک دفعہ کا ذکر ہے، ایک دیہاتی چڑیا گھر کی سیر کو گیا۔ وہاں اس نے ہاتھی دیکھا اور زور زور سے ہنسنے لگا۔ ہاتھی کے اوپر بیٹھے ہوئے آدمی نے پوچھا، "کیا تم نے پہلے کبھی ہاتھی نہیں دیکھا جو اس قدر ہنس رہے ہو؟" دیہاتی نے جواب دیا، "ہاتھی تو بہت دیکھے ہیں، مگر ہاتھی کے اوپر ہاتھی پہلے نہیں دیکھا۔"

مرسلہ: منیزہ صدیقی، کراچی

* ایک جگہ مشاعرہ ہو رہا تھا۔ مشہور و معروف شعرائے کرام موجود تھے۔ مصرع کچھ یوں تھا:

"غم نہ کر کہ تیرے رنج کا خوگر میں ہوں۔"

ایک آدمی بہت زیادہ جھوم رہا تھا۔ جب بھی کوئی شاعر آکر اپنا کلام سناتا وہ آدمی مصرع ختم ہونے سے پہلے "میں ہوں" کا اضافہ کر کے مصرع مکمل کر دیتا۔ چناں چہ ایک شاعر کو شرارت سوجھی۔ اس نے مائیک پر بلند آواز سے کہا:

"ناریل جس کے ہاتھ لگا وہ بندر....."

حسبِ معمول اس آدمی نے جھوم کر کہا، "میں ہوں۔"

مرسلہ: سیدہ رخشندہ بانو نقوی، کراچی

* ایک شخص کسی دوست کے ہاں مہمان گیا۔ دونوں دوست ایک کمرے میں بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ چھت پرانی تھی۔ کڑکڑانے لگی۔ مہمان گھبرا کر چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

اس پر میزبان دوست نے کہا: "گھبراؤ نہیں، چھت اللہ کو یاد کر رہی ہے۔"

مہمان بولا: "آپ نے بجا فرمایا، مگر مجھے ڈر ہے کہ چھت اللہ کو یاد کرتے کرتے کہیں سجدے میں نہ گر پڑے۔"

* ایک شخص اپنے کسی مسخرے دوست کے ہاں مہمان گیا۔ یہ دوست بہت پُر مذاق تھا۔ ایک روز وہ اپنے دوست کے حمام میں نہانے کی غرض سے گیا تو سامنے نظر پڑی۔ وہاں لکھا تھا: "سامنے کیا دیکھتے ہو، دائیں جانب دیکھو۔" جب اس نے دائیں جانب دیکھا تو وہاں لکھا تھا کہ "بائیں طرف دیکھو۔" اور جب اس نے بائیں طرف دیکھا تو وہاں لکھا تھا: "بائیں کیا دیکھتے ہو، پیچھے دیکھو۔" اور پھر جب وہ پیچھے دیکھنے لگا تو لکھا تھا:

"نہانے آئے ہو یا اِدھر اُدھر دیکھنے؟"

مرسلہ: سہیل احمد جنجوعہ، شہزاد ہمایوں جنجوعہ، کھیوڑہ

* استاد (شاگرد سے) پاکستان میں کتنے دریا ہیں؟

شاگرد: پانچ۔

استاد: شاباش، کون کون سے؟

شاگرد: پہلا دریا راوی، دوسرا میں ابھی سوچ کر بتاتا ہوں، تیسرا میری کتاب میں مٹا ہوا ہے، چوتھا مجھے یاد نہیں، پانچواں میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں۔"

مرسلہ: عبدالحفیظ خان، پرانا سکھر

* رفیعہ نے کہا: "میری پاس قلم نہیں ہے۔" تو ٹیچر کو غصہ آگیا۔ انھوں نے کہا:

رفیعہ! تمھاری اردو بہت غلط ہے۔ "میری پاس قلم نہیں ہے۔" یہ جملہ گرامر کے لحاظ سے غلط ہے۔ صحیح جملے یہ ہیں:

میرے پاس قلم نہیں ہے
تمھارے پاس قلم نہیں ہے
آپ کے پاس قلم نہیں ہے
ہمارے پاس قلم نہیں ہے

آیا سمجھ میں۔ رفیعہ نے معصومیت سے کہا: "نہیں سر، سمجھ میں نہیں آرہا کہ آخر یہ سارے قلم کہاں گئے؟"

مرسلہ: قدسیہ جلیس صدیقی، کراچی

* ایک دوست نے دوسرے دوست کے سر پر پٹیاں بندھی دیکھیں تو پوچھا: "یہ تمھیں کیا ہو گیا؟"

"کل میں نے ایک شخص کو کار سے ٹکر مار دی تھی۔"

"زخمی تو اُسے ہونا چاہیے تھا، لیکن تم زخمی ہو!"

"اس لیے کہ جسے میں نے ٹکر ماری تھی آج صبح وہ مجھے مل گیا۔"

* جج: (چور سے) "تم نے جرم نہایت چالاکی اور ہوشیاری سے کیا ہے۔"

چور: جناب، آپ پہلے شخص ہیں، جس نے میری تعریف کی ہے۔

مرسلہ: مہربان اعظم، ڈیرہ اسماعیل خان

* ایک مال دار کنجوس مرنے لگا تو لوگوں نے کہا، "اب تو اللہ کے نام پر کچھ دیتے جاؤ۔"

کنجوس بولا: "جان تو دے رہا ہوں، اور کیا دوں؟"

مرسلہ: رؤف اسلم آرائیں، ڈگری

*

صحت مند نونہال

محمد اشفاق

نعیم احمد قریشی، کراچی

ثمینہ احمد

محمد زبیر رحیم، کراچی

عبدالمجید دشتی بلوچ، کراچی

نجمہ احمد

عمران خان، کراچی

فریدہ، کراچی

محمد شکیل، کراچی

سید اظہر علی، کراچی

فوزیہ، کراچی

معراج احمد، کراچی

عبدالواحد، کراچی

سادات علی خان، کراچی

اس شمارے کے چند مشکل الفاظ

ہر لفظ کے سامنے اُس زبان کا اشارہ بھی لکھا گیا ہے جس سے وہ لفظ اردو میں آیا ہے۔ یہ اشارے اس طرح سے لکھے ہوئے ہیں: ع = عربی، ف = فارسی، ہ = ہندی، س = سنسکرت، ت = ترکی، انگ = انگریزی، الف = اردو۔

وجوہ :(ع) وُ جُو ہْ : وجہ کی جمع، اسباب، دلائل۔

ماجرا :(ع) مَا جَرَ ا : جو کچھ گزرا، واردات، واقعہ۔

سودا :(ع) سَوْ دَ ا : دیوانگی، کسی بات کی دُھن، فریفتگی، خرید و فروخت کا معاملہ، بازار سے خریدی ہوئی چیز۔

سُو :(ف) سُوْ : طرف، جانب، پانی، شراب۔

ترجیع :(ع) تَرْ جی عْ : پلٹانا، دیا ہوا واپس لینا، پھیرنا، رجوع کرنا، کسی کی طرف متوجہ ہونا، انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھنا۔

فیلسوف (ف) فَیْلْ سُو فْ : دانش مند، دانا، چال باز، فریبی۔

مُدرِس :(ع) مُدْ دَ رِ س : درس دینے والا، معلّم، پڑھانے والا۔

تصانیف :(ع) تَصَا نِیف : تصنیف کی جمع، تصنیف کی ہوئی کتابیں۔

منصب :(ع) مَنْ صَبْ : مرتبہ، رتبہ، عہدہ، حق۔

مشاغل :(ع) مَشَا غِلْ : شغل کی جمع، کام، شغل۔

تگ ودو :(ف) تَ گُو دَ و : تلاش، جستجو، کوشش، دوڑ دھوپ۔

شیرخوار :(ف) شی رْ خَا رْ : دودھ پینے والا۔

اِکسیر :(ع) اِکْ سِیْر : کیمیا، وہ شے جس سے تانبے کو سونا اور رانگے کو چاندی بناتے ہیں، نہایت فائدہ مند، کسی مرض کے لیے نہایت مفید۔

مشابہت :(ع) مُ شَا بَہ ہَت : موافقت، مطابقت، ایک جیسی شکل، یکسانیت۔

تنویر :(ع) تَنْ وِ یْر : روشنی، چمک، نُور۔

داتا :(ہ) دَا تَا : دینے والا، رزق دینے والا، سخی۔

معدن :(ع) مَعْ دَ نْ : کان، وہ جگہ جہاں کھود کر دھاتیں نکالی جائیں۔

رُوسا :(ع) رُ ءَ سَا : رئیس کی جمع، رئیس لوگ، سردار، شرفا۔

سیادت :(ع) سِ یَا دَت : سرداری، بزرگی، امامت، قیادت۔

رہبر :(ف) رَہْ بَرْ : رہنما، لیڈر، ہادی، قائد، گائڈ۔

خاصیت :(ع) خَا صی یَتْ : وصف، خوبی، خصوصیت، عادت، خصلت۔

صبا :(ع) صَبَا : مشرق سے چلنے والی ہوا، ہوا۔

معترض (ع) مُعْ تَرِ ضْ : اعتراض کرنے والا، روک ٹوک کرنے والا۔

مُروّج :(ع) مُ رَوْ وَ جْ : رائج الوقت، جاری، رائج ہونے والا، رواج دی ہوئی چیز۔

صائب :(ع) صَا اِ بْ : سیدھا، ٹھیک، رسا، پہنچنے والا۔

خُوباں

صحت کے لئے ایک خُوب غذا

تازہ پھلوں اور خشک میوہ جات کا نفیس و لطیف اور خوش ذائقہ سنہرا شربت
خُوباں جس میں شامل ہاضم، مقوّی جسم و جاں اور حیات بخش اجزائے غذائی نے اسے
ایک منفرد ٹانک بنا دیا ہے۔ خُوباں، دواؤں سے بڑھ کر انسانی جسم کی حقیقی
اور فطری غذائی ضرورتوں پر ہمدرد کے طویل تجربہ کا ماحصل ہے۔

خُوباں بچوں کو چاق و چوبند اور بڑوں کو چست و توانا رکھتا ہے۔
خُوباں استعمال کرنے والے بچے تعلیم اور کھیل کود میں بڑے جی جان سے حصّہ لیتے ہیں۔
صحت مند لوگوں کے لئے خُوباں کا استعمال یوں بھی مناسب ہے کہ اس سے
جسم و جاں کو خوب اجزائے غذائی میسّر آتے رہتے ہیں اور شب و روز کی ذہنی محنت
یا جسمانی مشقت سے کوئی تھکن یا سُستی پیدا نہیں ہوتی۔ لاغر اور
بیماری سے اٹھے ہوئے لوگوں کے لئے خُوباں ایک مفید اور مؤثر غذائی ٹانک ہے۔

کھلاڑیوں کے لئے خُوباں ایک ضرورت ہے۔ کھیل شروع کرنے سے پہلے اس کے دو چمچے پینے سے
جسم میں مناسب طاقت و چستی پیدا ہوتی ہے اور کھیل کے بعد خُوباں توانائی بحال کرتا ہے۔

خُوباں گھر کے ہر فرد کے لئے ہر موسم میں تن درستی اور توانائی بہم پہنچاتا ہے۔
خُوباں کے دو چمچے غذا کے بعد آپ کی توانائی برقرار رکھتے ہیں۔

خُوباں خوش ذائقہ سنہرا شربت

ہمدرد

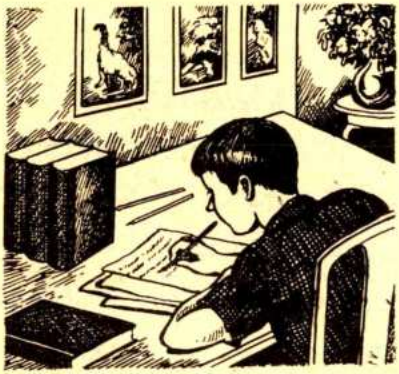

نونہال ادیب

حمد

مرسلہ: غلام ربّانی، مظفر آباد

وہ ظرف عطا کر دے جو مجھ کو بڑا کر دے
میں تیرا کہا کر دوں تُو میرا کہا کر دے
جُھلسے ہوئے صحرا کو اِک پَل میں ہرا کر دے
یارب مرے آنگن کو تو ٹھنڈی ہوا کر دے
بھٹکوں نہ کسی در پر تُو اتنا عطا کر دے
میں بھی ترا بندہ ہوں تُو مجھ کو بڑا کر دے

نعت

مرسلہ: ثمرین حسن، کراچی

محبّت کی دُنیا بسا دینے والے
صداقت کے نغمے سُنا دینے والے
عداوت کے قصّے مٹا دینے والے
شرافت کی دنیا بسا دینے والے
ہٹا کر بُرائی کے رستے سے ہم کو
حقیقت کی منزل دِکھا دینے والے
دِلوں سے حسد اور نفرت مٹا کر
چراغِ محبّت جلا دینے والے

وزیر مینشن

سلمیٰ جبیں غلام اقبال، کراچی

ہمارے قائد محمد علی جناح کی جائے پیدائش پاکستان کے مشہور شہر کراچی کے محلّے کھارادر میں ہے۔ وزیر مینشن بلکے سلیٹی رنگ کی عمارت ہے، جس میں لوہے کے جنگلے لگے ہوئے ہیں۔

میں جب اس عمارت میں داخل ہوئی تو نیچے کی منزل میں دفتر تھا، جس میں لوگ اخبار، رسالے اور کتابیں پڑھ رہے تھے۔ پہلی منزل کے پہلے کمرے میں سوفا سیٹ اور قالین بچھی ہوئی تھی۔ یہ سامان ہمارے قائد نے ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ء تک بہ حیثیت گورنر جنرل استعمال

کیا تھا۔ دوسرے کمرے میں مختلف قسم کا فرنیچر ہے۔ تیسرے کمرے میں بھی کچھ فرنیچر موجود تھا۔ اس کمرے کی بڑی اہم بات یہ ہے کہ اسی کمرے میں ہمارے قائد ۲۵۔ دسمبر ۱۸۷۶ء کو پیدا ہوئے تھے۔ یہاں قانون کی ۹۸۴ کتابیں بھی موجود ہیں۔ دیوار پر ایک تصویری فریم آویزاں ہے، جس میں پاکستان ہائی کورٹ کے پہلے چیف جسٹس سر عبدالرشید سے قائداعظم بہ حیثیت گورنر جنرل حلف لے رہے ہیں۔

اس کے بعد ہم دوسری منزل پر پہنچے۔ پہلے کمرے میں ہمارے قائد کا بہت سا سامان موجود ہے۔ آپ کے ملبوسات کی الماریاں دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ مختلف قسم کے لباس پہنتے تھے۔ کچھ الماریاں دیوار میں بنی ہوئی تھیں اور کچھ فرش پر رکھی تھیں، جس میں ایک آنکھ کا چشمہ، نوٹ بک، رائٹنگ پیڈ، چاندی کا بنا ہوا برصغیر پاک و ہند کا نقشہ اور چاندی کا بنا ہوا تالا اور چابی وغیرہ شامل ہے۔ آخر الذکر تالا اور چابی ۱۹۴۸ء میں بنگال آئل ملز کے افتتاح کے موقع پر قائداعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ ایک دیواری الماری میں قرآن پاک رکھا ہوا تھا۔ دوسری طرف سنگِ مرمر پر بنا ہوا پاکستان کا نقشہ تھا۔ میں نے یہ سب کچھ وزیر مینشن میں دیکھا۔

ایک عظیم انسان

عدنان بشیر، گوجرانوالہ

حکیم سقراط ۴۶۹ قبل مسیح میں پیدا ہوا۔ وہ نہایت محنتی، جفاکش اور صابر تھا۔ نہایت سادہ و غریبانہ زندگی بسر کرتا تھا۔ حق کی تلاش اور علم و اخلاق کی وعظ گوئی میں اس کی تمام عمر بسر ہوتی۔ وہ غور و فکر میں اس درجے محو ہو جاتا کہ کسی مسئلے کو سوچنے کے لیے گھنٹوں ایک جگہ دنیا و مافیہا سے بے خبر کھڑا رہتا۔ ایک دفعہ کسی مسئلے پر غور کرتے کرتے پورا دن اور پوری رات مسلسل ۲۴ گھنٹے کھڑا رہا۔ لوگوں نے اس سے پوچھا کہ اس قدر حکمت حاصل کرنے سے تجھے کیا فائدہ پہنچے گا؟ اس نے کہا: "اس سے زیادہ اور کیا فائدہ ہو گا کہ میں زندگی کے سمندر کے کنارے بیٹھا ہوں اور جاہلوں کو اس میں غرق ہوتے ہوئے دیکھتا ہوں۔"

اس حکیم نے تحمل و بردباری کی عادت حاصل کرنے کے لیے جان بوجھ کر ایک تُند خُو اور شعلہ مزاج عورت سے شادی کی، جو ہمیشہ بلاوجہ لڑتی رہتی تھی۔ اس سے اس کی صرف یہ غرض تھی کہ مجھ میں غصہ نہ رہے۔ ایک روز اس کی بیوی پہلے تو بہت کچھ بُرا بھلا کہتی رہی پھر غصے میں آ کر اس نے پانی کی بھری ہوئی دیگچی اس کے سر پر دے ماری تو سقراط نے کہا: "گرجنے کے بعد برسنا ضروری تھا۔"

سقراط اپنے شاگردوں سے کبھی کوئی نذرانہ، فیس یا اور کسی قسم کی امداد نہ لیتا تھا۔ وعظ کہنے کی یہاں تک عادت تھی کہ اسی میں لگا رہتا، خواہ مجمع ہو یا دو آدمی۔ ہر شخص کی قابلیت کا اندازہ لگا کر اسی کے حسبِ حال وعظ کہتا اور انسانوں کی صحبت کی ہر وقت تلاش میں رہتا۔ ۶۰ سال کی عمر میں سینیٹ (اس زمانے کی پارلیمنٹ) کا رکن منتخب ہوا۔

ایک معاملے میں جو صریح بے انصافی پر مبنی تھا اُس نے دوسرے ارکان سے اختلافِ رائے کا اظہار کیا اور کہا میں ہزار بیماریوں کو اپنے اوپر برداشت کر سکتا ہوں، لیکن دوسرے شخص کے ساتھ بے انصافی ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ ۷۰ سال کی عمر میں اس پر بُت پرستی کے خلاف وعظ گوئی اور حکومتِ وقت کے خلاف تقریریں کرنے کا الزام لگایا گیا۔ غرض حکومت کی طرف سے ساعتِ مقدمہ کی تاریخ مقرر ہو گئی، لیکن سقراط بدستور وعظ گوئی اور تعلیم اور درس دینے میں مصروف رہا۔ ایک شخص نے کہا "تم عجیب آدمی ہو، تم پر حکومت کی طرف سے سخت ترین الزام لگایا گیا ہے۔ خدانخواستہ اگر وہ سچ ثابت ہو جائے تو تمھاری جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ تم ایسی مخدوش حالت میں بے فکر بیٹھے ہو۔ جواب دہی کے لیے تمھیں تیاری کرنی چاہیے۔ سقراط نے بے پروائی سے جواب دیتے ہوئے کہا "میں اسی کو کافی تیاری سمجھتا ہوں کہ میں نے تمام عمر کوئی گناہ نہیں کیا۔ اس وقت تک میری زندگی نہایت اطمینان سے گزری ہے۔ میں لگاتار اخلاقی ترقی کرتا رہا ہوں اور لوگوں کو بھی اس کی تعلیم دیتا رہا ہوں۔ تمام لوگ میری عزت کرتے ہیں۔ اگر میری زندگی ختم نہ ہو تو بڑھاپا مجھے ستانے لگا، میرے حواس کام نہیں کریں گے، میری فراست میں کمی آجائے گی، ایسے حالات میں مجھے زندگی چنداں ضرورت نہیں۔"

مقدمے کی مقررہ تاریخ پر جو سوال کیے گئے اس کا اس نے نہایت متانت، دلیری اور استقلال سے جواب دیا۔ اس کی آواز سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تھا کہ وہ خوف زدہ ہے یا اپنے آپ کو ملزم سمجھتا ہے۔ آخر عدالت نے اس کی موت کا حکم صادر کر دیا۔ اس عہدِ حکومت میں ملزم کو زہر کا پیالہ دیا جاتا تھا یا جرمانہ لے کر معاف کیا جا سکتا تھا۔

دوستوں نے مشورہ دیا کہ ہم بھاری سے بھاری جرمانہ دیں گے، تم اس قانون سے فائدہ اٹھاؤ، مگر اس عظیم انسان نے کہا "جرمانہ دینے کے معنی ہیں کہ میں اپنے آپ کو مجرم سمجھتا ہوں۔ میں نفرت سے اس کو نامنظور کرتا ہوں۔" جب موت کا حکم صادر ہوا تو اس نے آخری پُر تاثیر تقریر کی، جسے سن کر لوگ رونے لگے۔ اس نے پوچھا "کیوں روتے ہو؟" لوگوں نے کہا "آپ کی بے گناہی کی موت کا ہمیں سخت رنج اور افسوس ہے۔" اس نے کہا "تو کیا میں گناہ گار ہو کر مرتا؟"

سزائے موت کے فیصلے کے بعد حکومت کی ایک خاص مذہبی رسم کے مطابق سقراط کو ۳۵ دن قید خانے میں رہنا پڑا۔ دوستوں نے کہا کہ فرار ہو جاؤ۔ یہ سُن کر وہ عظیم انسان ہنس پڑا۔ اور کہا "پہلے کوئی ایسی جگہ بتاؤ جہاں موت نہیں پہنچ سکتی۔"

زہر کا پیالہ پلانے سے پہلے قید خانے کا ایک ملازم آیا۔ اس نے کہا "جب بھی کسی مجرم کو زہر کا پیالہ دیتا ہوں تو وہ مجھے کوسنا شروع کر دیتا ہے، تم معقول انسان ہو اور جانتے ہو کہ میں افسروں کے حکم کا پابند ہوں۔ اگر تمھیں کوئی شکایت ہے تو ان سے ہونی چاہیے مجھ سے نہیں۔ اب زہر پینے کی تیاری کرو۔" یہ کہہ کر اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔ سقراط نے کہا "بہت بہتر" اور زہر کا پیالہ پی لیا۔ یوں یہ عظیم انسان سب سے بچھڑ گیا۔

افلاطون نے کہا، "دنیا میں سب سے نیک، سب سے عقل مند اور سب سے منصف مزاج شخص کا یہ انجام تھا۔"

بِسرو لکھتا ہے: "میں جب کبھی اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو بے اختیار رو پڑتا ہوں۔"

سقراط کا زمانہ ۴۷۰ تا ۳۹۹ تھا۔ اس نے ۷۱ سال عمر پائی تھی۔

گڑیا

مرسلہ: سیما عزیز خان، کراچی

بھیّا لائے گڑیا لال
پیارے پیارے اس کے بال

سیبوں جیسے سُرخ ہیں گال
آنکھیں جیسے ہیرے لعل

ضد سے نہیں ہے کوئی کام
ہنستی کھیلتی صبح و شام

اپنے پاس سُلاتی ہوں
چابی دے کے ہنساتی ہوں

کھاتی ہے وہ سیب انار
گھر بھر کو ہے اس سے پیار

مغل دربار میں

ایم حفیظ شیراز، کراچی

لاہور کی سیر کرتے کرتے میں شاہی قلعے کی طرف نکل آیا۔ شاہی قلعے کا ٹکٹ خریدا اور اندر داخل ہو گیا۔ یہ قلعہ مغلیہ دور کے ماہرینِ تعمیرات کے فن کا عظیم شاہکار ہے، جس کا جادو مجھ پر کچھ اس طرح چلا کہ میں آج کے ترقی یافتہ دَور کو بھول کر مغلیہ دَور کا ایک شہری بن گیا۔ جہانگیر کا دربار، انار کلی، نُور جہاں، چاق و چوبند پہرے دار، شان دار محلات، غلام، کنیزیں اور نہ جانے کیا کچھ، جو اُس دور میں زندہ جاوید تھے، آج میرے ذہن کے پردے پر دوبارہ زندہ ہو گئے تھے۔ میں کشادہ شاہراہیں اور خوب صورت باغات عبور کرتا ہوا آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ کہیں لوگوں کا ہجوم تھا تو کوئی کسی گوشے میں تنہا پڑا ہوا تھا۔ کچھ لوگ اس عظیم قلعے کی تعریف میں مصروف تھے، تو کچھ کھانے پینے میں مشغول، مگر میں ان سب سے بے نیاز تھا۔ نہ بھوک تھی، نہ پیاس۔ میں تو بس تیز تیز قدم اُٹھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ جیسے میں اُن لوگوں میں سے نہیں۔ مجھے تو جہانگیر سے ملنا ہے، اُس کے دربار میں حاضری دینا ہے۔ میں چلتا رہا اور راستے بنتے رہے۔ راستے میں نہ جانے کیا کچھ ملا، مگر ذہن سے وہ تصویر نہ گئی، جس میں مغل بادشاہ بنے ہوئے تھے۔ چلتے چلتے قدم رُک گئے، ایک طرف سیڑھیاں تھیں، میں نیچے اُتر گیا۔ ہر طرف خاموشی تھی اور آسمان سے باتیں کرتی ہوئی دیواریں تھیں۔ میرے قدم پھر بڑھنے لگے، لیکن یہ کیا....؟ کیا ایسا ہو سکتا ہے؟..... کہیں یہ میرے خواب تو نہیں؟ مگر میرے سامنے جو کچھ تھا وہ حقیقت تھا۔ دل ماننے سے انکار کر رہا تھا مگر آنکھیں وہ سب کچھ دِکھا رہی تھیں۔ جو میں اب تک خیالوں میں دیکھتا رہا تھا۔ سامنے ایک

عالی شان ہال میں خوش رنگ اور دبیز قالین بچھے ہوئے تھے۔ ایک بڑے سے خوب صورت تخت پر بادشاہ سلامت اور ملکہ معظمہ براجمان تھے۔ شاید وہ جہانگیر اور نور جہاں تھے۔ چاروں طرف کنیزیں اور غلام مودب کھڑے تھے۔ سامنے ایک شخص مرتا پا سیاہ لباس میں ملبوس ہاتھ باندھے کھڑا تھا۔ میں اور آگے بڑھ گیا۔ جہانگیر، نور جہاں سے کچھ کہہ رہا تھا۔ شاید کسی فیصلے کے لیے مشورہ کر رہا تھا۔ میں اور آگے بڑھ گیا۔ جہانگیر شاہی لباس میں بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ اس نے اپنے سنہرے تاج کو درست کیا اور کھڑا ہو گیا، کہیں دربار برخاست تو نہیں ہو رہا۔ میں نے سوچا۔ میں جہانگیر سے ضرور ملوں گا میں اس مغل بادشاہ سے ضرور باتیں کروں گا۔ میں بڑبڑاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ اس سے قبل کہ میں جہانگیر سے ہم کلام ہوتا، ایک گرج دار آواز سنائی دی، "ارے، اس لڑکے کو ہٹاؤ، ساری شوٹنگ کا بیڑا غرق کر دیا" میں حیران اور پریشان باہر نکل گیا، "چلو بھئی یہ سین دوبارہ ہو گا" آواز پھر سُنائی دی۔

"او کے سر" بہت سی آوازیں ایک ساتھ بلند ہوئیں۔

دل چسپ خواب

ثروت جبیں، کراچی

ایک مرتبہ بچپن میں ہم نے اتفاق سے ایک آدم خور شیر کی کہانی پڑھ لی۔ بس اُسی دن سے ہمارے ذہن میں یہ خیال مچلنے لگا کہ ہم بھی کسی طرح کوئی آدم خور شیر ہلاک کریں۔ آخر ہماری مراد بر آئی۔ ہم اپنی گرمیوں کی چھٹیاں گزارنے گاؤں جا رہے تھے۔ گاؤں پہنچتے ہی معلوم ہوا کہ یہاں آدم خور شیر نے کئی انسانوں کو ہڑپ کر لیا ہے۔ ہم نے کہا، "اے شیر! تُو اپنی جان سے گیا" کہتے ہیں کہ آدم خور شیر کو ہلاک کرنا جان جوکھوں کا کام ہے۔ اب سوال یہ تھا کہ آدم خور شیر کو ہلاک کس طرح کریں۔ کئی منصوبوں پر غور کیا، مگر کوئی حل سمجھ میں نہ آیا۔

ایک روز باجی دوپہر کے وقت آرام کر رہی تھیں۔ ہم نے ان کی الماری سے املی چُرائی اور باغ میں آ گئے، کیوں کہ یہیں تنہائی میں آدم خور شیر کو ٹھکانے لگانے کی اسکیم بھی تو سوچنی تھی۔ درخت کے نیچے ہری ہری گھاس پر بیٹھ کر ہم نے درخت سے ٹیک لگائی اور املی پر نمک مرچ لگا کر کھانے لگے۔ اچانک کسی نے املی پر جھپٹنے کی کوشش کی۔ "بہت تیرے کی، کون ہے؟" ہم نے کہا۔ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا سانس نیچے رہ گیا۔ شیر ہمیں دبوچنے کے لیے آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔ بچنے کی امید کم تھی۔ ہم نے دوستی کی کوشش کی جو رائیگاں گئی۔ ہم نے غصّے سے گھورنا شروع کیا، جیسے باجی کبھی کبھی ہمیں گھورا کرتی تھیں، مگر وہ ذرا بھی نہ ڈرا۔ ہم نے فوراً املی کے ساتھ لائی ہوئی نمک مرچ کی پُڑیا شیر کی آنکھوں اور ناک میں ڈال دی۔ وہ آنکھوں کو مَل مَل کر چیخنے لگا۔ اس کا چیخنا کوں سے بُرا حال تھا۔ بڑا آیا تھا آدم خور، اب کدھر جائے گا۔ چلیے بادشاہ سلامت، آپ کو باجی کی خدمت میں پیش کریں۔ آپ

کا تو نام ہی سُن کر اُن کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ ہم شیر کو دُم سے پکڑے کھینچتے ہوئے گھر کی طرف چل دیے کہ اچانک ہماری آنکھ کھل گئی۔ "ہائیں یہ کیا؟ چل تُو جلال تُو" اب شامت آئی۔

ہم باجی کی چوٹی پکڑے کھینچے چلے جا رہے تھے اور باجی چیخ رہی تھیں۔

اچھے کام کرو

مرسلہ: آفتاب عالم قریشی، حیدرآباد

ایسے اچھے کام کرو تم　　جگ میں اپنا نام کرو تم
لکھنے پڑھنے ہنسنے جاؤ　　تاکہ اس سے عظمت پاؤ
علم کی دولت حاصل کرکے　　اس کو جگ میں عام کرو تم

ایسے اچھے کام کرو تم
جگ میں اپنا نام کرو تم

الفت کی تم شمع جلاؤ　　روشن اپنا وطن بناؤ
تاریکی تو مٹ جائے گی　　نیکی صبح و شام کرو تم

ایسے اچھے کام کرو تم
جگ میں اپنا نام کرو تم

عزت، عظمت گر تم چاہو　　محنت سے تم مت گھبراؤ
ناکامی سے مت گھبرانا　　منزل اپنی پاؤ گے تم

ایسے اچھے کام کرو تم
جگ میں اپنا نام کرو تم

رب کو راضی کرتے رہنا　　مظلوموں سے کچھ مت کہنا
دولت آنی جانی شے ہے　　غربت میں سُکھ پاؤ گے تم

ایسے اچھے کام کرو تم
جگ میں اپنا نام کرو تم

اچھوں کا ہاں کام یہی ہے　　اپنا بھی پیغام یہی ہے
اپنے دیس سے الفت رکھنا　　جگ میں عزت پاؤ گے تم

ایسے اچھے کام کرو تم
جگ میں اپنا نام کرو تم

موٹی آپا کی جلد بازی

انیتا نور، کراچی

کسی گاؤں میں ایک موٹی عورت رہتی تھی۔ نام تو اس کا کچھ اور تھا، لیکن سب گاؤں والے اس کو موٹی آپا کہتے تھے۔ ایک دن موٹی آپا نے خواب میں ماں کو دیکھا کہ وہ بہت بیمار ہیں۔ موٹی آپا چونک کر اُٹھ بیٹھی اور خواب کو حقیقت سمجھ کر اپنے بچّے کو اُٹھایا اور ماں کے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔ راستے میں ایک لوکی کا کھیت پڑتا تھا۔ اس وقت اس میں لمبی لمبی اور موٹی موٹی ڈھیروں لوکیاں لگی ہوئی تھیں۔ جب موٹی آپا اس کھیت سے گزرنے لگی تو کتّے موٹی آپا کے پیچھے لگ گئے۔ وہ موٹی تو تھی ہی بھاگتے بھاگتے لوکیوں سے اُلجھ کر گر پڑی اور بچّہ بھی موٹی آپا کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ موٹی آپا نے بڑی مشکل سے اپنے کو سنبھالا اور بچّے کو اُٹھا کر ماں کے گھر کی طرف پھر روانہ ہو گئیں۔ وہاں پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ موٹی آپا کی ماں نے دروازہ کھولا۔ ماں کو تن درست دیکھ کر موٹی آپا حیران رہ گئیں اور بولیں، ماں کیا تم بیمار نہیں

ہو؟

نہیں تو بیٹی، میں تو بالکل ٹھیک ہوں، لیکن تم اتنی رات کو یہاں کس لیے آئی ہو؟ موٹی آپا نے سارا واقعہ سُنایا۔ "کوئی بات نہیں بیٹی آؤ اندر آجاؤ" ماں نے کہا۔ موٹی آپا اندر آگئیں اور کہا، اماں، ذرا بجلی تو جلاؤ۔ ماں نے بجلی جلا کر اپنے نواسے کو پیار کرنے کے لیے اس کے منھ سے کمبل ہٹایا تو اس کے اندر سے ایک لمبی اور موٹی سی لوکی نکلی۔ موٹی آپا کی ماں بھنّا کر رہ گئیں اور کہا ارے تُو یہ کیا اُٹھا لائی ہے؟ یہ تو ایک لوکی ہے۔ موٹی آپا حیران رہ گئیں، "ہائیں میں تو اپنا بچّہ لے کر آئی تھی، یہ لوکی کہاں سے آگئی؟" پھر وہ ساری بات سمجھ گئیں اور بولیں، "اچھا تو میں کھیت میں سے بچّے کے بجائے لوکی اُٹھا لائی ہوں۔"

موٹی آپا بھاگم بھاگ لوکیوں کے کھیت میں پہنچیں اور سارا کھیت چھان مارا، لیکن بچّہ نہ ملا۔ اب تو موٹی آپا بہت سٹپٹائیں اور ایک بار پھر ڈھونڈا تو ان کا پیر ایک نرم چیز پر پڑا۔ موٹی آپا اس کو اپنا بچّہ سمجھ کر بہت خوش ہوئیں اور اب اپنی ماں کے بجائے اپنے گھر کی طرف چل پڑیں۔ گھر پہنچ کر انھوں نے دیکھا تو بچّے کے بجائے ان کے ہاتھ میں ایک نرم تکیہ تھا۔ موٹی آپا نے پریشان ہو کر جلدی سے اپنے بستر کی طرف دیکھا تو ساری بات ان کی سمجھ میں آگئی۔ وہ جلدی میں بچّے کے بجائے بچّے کے قریب رکھا ہوا ایک نرم تکیہ لے گئی تھیں اور بچّہ اپنے بستر میں آرام سے سو رہا تھا۔ موٹی آپا سوچنے لگیں کہ نہ میں جلدی کرتی نہ مجھے اتنی مصیبتیں اٹھانی پڑتیں، کیوں کہ کھیت کی تلاشی لینے سے اُن کے کپڑے تار تار ہو گئے تھے اور بال اور سارا جسم مٹی میں اَٹا ہوا تھا اور وہ تھک بھی گئی تھیں۔

تین بہرے، ایک گونگا

محمد طاہر، کراچی

پرانے زمانے کی بات ہے۔ ایک گاؤں میں ایک چرواہا رہتا تھا۔ یہ چرواہا دن بھر بکریوں کے ریوڑ چراتا اور جب سورج ڈوبنے لگتا اور دن کا اُجالا رات کی سیاہی میں آہستہ آہستہ گھلنے لگتا تب وہ ریوڑ کو ہانکتا ہوا گاؤں واپس آجاتا۔ وہ اصل میں پیدائشی بہرہ تھا، اس کے سامنے جتنی زور سے چیخو اُس کو خبر نہ ہوتی تھی۔

ایک روز ایسا ہوا کہ وہ اپنا کھانا ساتھ لانا بھول گیا اور کھانا گھر پر ہی پڑا رہا۔ جب کافی دیر ہو گئی تو چرواہے کو بھوک نے ستایا۔ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا۔ بے چارہ بہت پریشان ہوا اور صبر سے کام لیتا رہا لیکن جب آنتوں نے اُلٹی پُلٹی کھانی شروع کی تو چرواہے سے نہ رہا گیا۔ اُس کی نظر اچانک ایک گھڑ سوار پر پڑی جو درانتی سے درخت کی نرم نرم شاخوں کو کاٹ رہا تھا۔ چرواہا لپک کر اس کے پاس پہنچا اور کہنے لگا، "بھائی، تم ذرا میری بکریوں پر نظر رکھنا، میں اپنا کھانا گھر بھول آیا ہوں بھوک سے جان نکلی جا رہی ہے۔ بس جب تک میں کھانا لے کر آؤں تم میری بکریوں کی حفاظت کرنا۔ تمھاری بڑی مہربانی ہو گی۔" اصل میں یہ گھڑ سوار بھی بہرا تھا۔ چرواہے نے جو کچھ

کہا وہ تو اس کی سمجھ میں نہ آیا۔ البتہ اس نے سمجھا کہ چرواہا مجھ سے اپنی بکریوں کے لیے پتے مانگ رہا ہے۔ چناں چہ یہ سمجھ کر گھڑسوار نے کہا، "چلو چلو میں تمھیں ایک پتہ بھی نہیں دوں گا۔ میں نے اتنی محنت سے یہ جمع کیے اور تم مفت میں مانگنے آ گئے۔ چلو میری نظروں سے دُور ہو جاؤ۔"

اس کی ایک بات بھی چرواہے کی سمجھ میں نہ آئی، لیکن چرواہے نے یہ مطلب نکالا کہ وہ کہہ رہا ہے، ہاں کیوں نہیں، تم بڑے شوق سے کھانا کھانے جا سکتے ہو۔ تمھارے آنے تک میں تمھاری بکریوں کی اچھی طرح حفاظت کروں گا۔ یہ سمجھ کر چرواہا گاؤں کی طرف سرپٹ دوڑا۔

گھر پہنچتے ہی چرواہے نے خوب ڈٹ کر کھانا کھایا اور کافی دیر آرام کیا۔ کچھ دیر بعد چرواہا پھر جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ دیکھ کر کہ اس کی بکریاں آرام سے گھاس کھا رہی ہیں اور گھڑسوار ایک طرف بیٹھا ہے۔ چرواہے نے دل میں سوچا یہ شخص کتنا مہربان ہے اس نے بلا معاوضہ میری بکریوں کی حفاظت کی ہے۔ چرواہے کے پاس ایک لنگڑی بکری تھی اس نے سوچا یہ بکری گھڑسوار کو تحفے کے طور پر دے دینی چاہیے۔ یہ سوچ کر چرواہے نے لنگڑی بکری کو پکڑا اور گھڑسوار کے پاس لے آیا اور بولا،

"بھائی، میں تمھاری مہربانی کا شکر گزار ہوں معاف کرنا مجھے کچھ دیر ہو گئی تھی۔ میری طرف سے اس بکری کا تحفہ قبول کرو۔"

گھوڑے والا جو اصل میں لکڑہارا تھا، چرواہے کا ایک لفظ بھی نہ سُن سکا، اس نے یہ مطلب نکالا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ اس کی بکری کی ٹانگ تم نے توڑی ہے۔ تم نے میری بکری کی حفاظت نہیں کی لہٰذا تم اس کے ذمے دار ہو۔ یہ سوچ کر اس کا خون کھول گیا۔ اس نے چلّا کر کہا، بکواس بند کرو، میں تمھارے باوا کا نوکر تھا جو تمھاری بکریوں کی حفاظت کرتا۔ دفعان ہو جاؤ میرے سامنے سے۔"

چرواہا سمجھا کہ وہ کہہ رہا ہے کہ یہ بکری تو مجھے بالکل پسند نہیں۔ کوئی صحیح سالم دودھ دینے والی بکری دو۔ اس نے کہا، "بھائی، میں غریب آدمی ہوں، اگر تمھیں صحیح بکری دے دوں تو اپنا پیٹ کہاں سے پالوں گا۔ میرا گزارہ انھیں بکریوں کے دودھ پر ہے، تم یہی بکری رکھ لو نا۔"

لکڑہارا سمجھا یہ مجھے دھمکیاں دے رہا ہے اور بکری کے نقصان ہونے کی قیمت بھی طلب کر رہا ہے۔ یہ سمجھ کر لکڑہارا پھر چلّایا اور کہا، "لعنت ہو تم پر اور تمھاری بکری پر مجھے کیا علم اس کی ٹانگ کیسے ٹوٹی۔ اگر تم مزید میرا دماغ کھاؤ گے تو میں تمھیں مار دوں گا۔"

جب چرواہے نے لکڑہارے کو غصّے کی حالت میں دیکھا تو حیران ہوا کہ اس میں غصّے کی کیا بات ہے۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر درخواست کی کہ یہ بکری تم رکھ لو، اس کا گوشت بھون کر خود بھی کھانا اور بچّوں کو بھی کھلانا۔"

لکڑہارے نے سمجھا کہ یہ زبردستی مجھ سے بکری کی قیمت وصول کرنا چاہ رہا ہے۔ لکڑہارے کو طیش آ گیا اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ۔ ایک زوردار گھونسا چرواہے کے

منھ میں جڑ دیا۔ چرواہے کو بھی اس اچانک اور غیر متوقع حملے پر غصّہ آگیا۔ اس نے بھی جواب میں لکڑہارے کو دو گھونسے مارے۔ ابھی دونوں میں لڑائی ہو ہی رہی تھی کہ اتنے میں ایک مسافر گھوڑے پر سوار اُدھر سے گزرا۔ اس نے ان دونوں کو لڑتے دیکھا تو پوچھا، "بھائی، کیوں لڑتے ہو؟"

چرواہے نے کہا، "دیکھیے جناب، میں اسے اپنی لنگڑی بکری مفت پیش کر رہا ہوں، اس لیے کہ اس نے میری بکریوں کی حفاظت کی، لیکن یہ لکڑہارا بکری لینے کے بجائے لڑنے مرنے پر تُل گیا۔"

مسافر نے اپنے بائیں کان پر ہاتھ رکھ کر کہا، "بھائی، میرا کان ذرا خراب ہے، میں ذرا اونچا سنتا ہوں، ہاں ذرا پھر سے کہو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

لکڑہارا سمجھا کہ مسافر اس سے پوچھ رہا ہے کہ تم بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا۔ لکڑہارا اس کے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "جناب، میں اپنے گھوڑے کے لیے جنگل سے پتّے کاٹ رہا تھا۔ یہ چرواہا مجھ سے پتّے مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ یہ پتّے میرے حوالے کر دو۔ میں نے کہا، "چلو، چلو، یہ پتّے میں تمھیں کیسے دے دوں؟ یہ تو میں اپنے گھوڑے کے لیے لے جا رہا ہوں۔ پھر یہ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا اور کافی دیر بعد آیا اور ایک لنگڑی بکری کو میرے سامنے لا کر ڈال دیا اور کہنے لگا کہ اس بکری کی ٹانگ تم نے توڑی ہے۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، چنانچہ میں نے اس کی خوب پٹائی کی۔ اب آپ ہی اسے سمجھائیے۔"

مسافر نے اپنے بائیں کان پر ہاتھ رکھ کر کہا، "بھائی، میرا کان ذرا خراب ہے، میں ذرا اونچا سنتا ہوں، ہاں ذرا پھر سے کہو تم کیا کہہ رہے تھے۔"

لکڑہارا سمجھا کہ مسافر اس سے پوچھ رہا ہے کہ تم بتاؤ کیا واقعہ پیش آیا۔ لکڑہارا اس کے گھوڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا، "جناب، میں اپنے گھوڑے کے لیے جنگل سے پتّے کاٹ رہا تھا۔ یہ چرواہا مجھ سے پتّے مانگنے لگا اور کہنے لگا کہ یہ پتّے میرے حوالے کر دو۔ میں نے کہا، "چلو، چلو، یہ پتّے میں تمھیں کیسے دے دوں؟ یہ تو میں اپنے گھوڑے کے لیے لے جا رہا ہوں۔ پھر یہ معلوم نہیں کہاں غائب ہو گیا اور کافی دیر بعد آیا اور ایک لنگڑی بکری کو میرے سامنے لا کر ڈال دیا اور کہنے لگا کہ اس بکری کی ٹانگ تم نے توڑی ہے۔ میں نے اُسے بہت سمجھایا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے، چنانچہ میں نے اس کی خوب پٹائی کی۔ اب آپ ہی اسے سمجھائیے۔"

ان دونوں کی ایک بات بھی مسافر کی سمجھ میں نہ آئی۔ وہ بھی دونوں کانوں سے بہرا تھا۔ جب لکڑہارے نے اپنا مُدعا سناتے ہوئے اس کے گھوڑے کی طرف اشارہ کیا تو مسافر ایک دم گھبرا گیا اور بولا،

"ہاں ہاں ..... یہ گھوڑا میرا نہیں، میں تو پیدل سفر کر رہا تھا۔ ایک جگہ یہ مجھ کو مل گیا تو میں نے اسے پکڑ لیا۔ اگر یہ گھوڑا آپ کا ہے تو میں اسے آپ کے حوالے کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر مسافر نے گھوڑا وہیں چھوڑا اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ یہ لوگ مجھے چور سمجھ کر قاضی کے پاس نہ لے جائیں اور قاضی مجھے قید خانے میں ڈال دے۔ اسے بھاگتے ہوئے دیکھ کر لکڑہارا اور چرواہا دیر تک اس کا تعاقب کرتے رہے۔ آخر اُسے پکڑنے میں کام یاب ہو گئے اور دونوں کہنے لگے، "جب تک تم ہمارا فیصلہ نہیں کرو گے، ہم تمھیں نہیں چھوڑیں گے۔"

ابھی اُن میں یہ بحث ہو ہی رہی تھی کہ اُدھر ایک فقیر آنکلا۔ تینوں نے اسے گھیر لیا اور باری باری اپنا مُدعا بیان کرنے لگے۔ فقیر اُن کا ایک ایک لفظ سُن رہا تھا، لیکن وہ کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ وہ گونگا تھا۔

فقیر تینوں کو مسلسل گھورے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف ناک چمک تھی۔ تینوں اس کی آنکھوں سے آنکھیں ملاتے، لیکن خوف کی وجہ سے ان کی آنکھیں جُھک جاتیں۔ انھیں ایسا لگا کہ اس کی نظریں ہماری کھوپڑیوں کے آر پار ہو رہی ہیں۔ یہ دیکھ کر مسافر سہم گیا اور فوراً اپنے گھوڑے پر جا بیٹھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر وہاں سے آناً فاناً رفو چکر ہو گیا۔

لکڑہارے نے بھی گھاس اور پتے سمیٹے اور بھاگ نکلا۔ دونوں کو جاتے ہوئے دیکھ کر چرواہے نے بھی اپنی بکریوں کو ہانکا اور گاؤں کی جانب روانہ ہو گیا۔

فقیر وہیں کھڑا انھیں دیکھتا اور مسکراتا رہا جب تینوں اس کی نظروں سے دُور ہو گئے تو فقیر نے بھی اپنی راہ لی۔ اس نے سوچا، "بے شک بولنے کی قوت بہت بڑی ہے لیکن اگر کوئی شخص سُننے کی قوت رکھتا ہو، مگر میری طرح گونگا ہو تو یہ بھی بہت بڑی نعمت ہے۔"

(ایک عربی کہانی کا ترجمہ)

ایک عظیم کیمیا داں

سید اظفر حسن جعفری، علی پور، مظفر گڑھ

کیمسٹری (علم کیمیا) اُن سائنسوں میں سے ہے، جس کی ترقی میں مسلمان سائنس دانوں نے اہم حصّہ لیا ہے، بلکہ کیمیا کی بنیاد ہی مسلمان سائنس دانوں نے رکھی ہے۔ الکیمی اور کیمسٹری کے الفاظ درحقیقت "الکیمیا" سے لیے گئے ہیں جو عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس لیے یہ بلاخوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مغرب نے "علم الکیمیا" براہِ راست عربوں سے سیکھا ہے۔

جابر بن حیّان عربی کیمیا کے باوا آدم اور زمانۂ وسطیٰ کے عظیم ترین کیمیا داں شمار کیے جاتے ہیں۔ جابر بن حیّان صوفی کے نام سے پکارے جاتے تھے اور مغرب میں "جبر" کے نام سے مشہور ہیں۔ اُن کے والد ایک عطار تھے۔ جابر نے اُس زمانے کے شہرۂ آفاق عالم حضرت امام جعفر صادقؒ اور اُموی شہزادے خالد بن یزید سے تعلیم پائی۔ ابتدا میں انھوں نے حکمت کا پیشہ اختیار کیا۔

جابر نے مختلف دھاتوں کو بہتر بنانے، فولاد تیار کرنے، کپڑے اور چمڑا رنگنے اور واٹر پروف کپڑے پر وارنش کرنے، لوہے کو زنگ سے محفوظ رکھنے اور شیشہ سازی میں مینگانیز ڈائی آکسائڈ کو استعمال کرنے کے طریقے اپنی تصانیف میں بیان کیے ہیں۔ جابر نے سو سے زیادہ بلند پایہ کتب تصنیف کی ہیں۔

جابر کا سب سے بڑا کارنامہ تین معدنی تیزابوں کی دریافت ہے، جنھیں انھوں نے پہلی بار قرع انبیق کی مدد سے تیار کیا۔

جابر کے کارناموں کا صحیح اندازہ اُسی وقت لگایا جا سکتا ہے جب اُن کی شہرۂ آفاق تصانیف شائع کی جائیں۔

جابر برمکی خاندان سے وابستہ تھے، جن کے افراد عباسی خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں وزارت کے منصب پر فائز تھے۔ برمکی خاندان کے زوال کا اثر جابر پر بھی پڑا اور انھیں بھی اس خاندان کی بدقسمتی میں حصّے دار ہونا پڑا اور ۸۰۳ء میں نظر بندی کی حالت میں انھوں نے کوفہ میں انتقال کیا۔

جابر کی تصانیف میں تقریباً بائیس کتب علم کیمیا پر ہیں۔ جابر کی متعدد تصانیف کا یورپین زبانوں میں، جن میں لاطینی بھی شامل ہے، ترجمہ ہو چکا ہے۔ جب تک مسلمان علم کی اہمیت سمجھتے رہے وہ جابر جیسے بڑے سائنس داں پیدا کرتے رہے، لیکن جب علم سے دُور ہوئے تو ان کی ترقی رُک گئی۔

آمدِ صبح

مرسلہ: عبدالمنان، لاہور

اندھیرے چھٹے! لو سحر ہو گئی
اجالوں کی خیرات بٹنے لگی

مؤذن اذانیں سنانے لگے
نمازی مساجد کو جانے لگے

پرندوں نے بھی گھونسلے چھوڑ کر
خدا کے حوالے کیے اپنے پَر

نظر ہر جگہ رونق آنے لگی
اندھیروں کی دنیا ٹھکانے لگی

دُکاں دار اپنی دُکاں کو چلا
کسان اپنے کھلیان کو چل دیا

دُکانیں کُھلیں گاہک آنے لگے
دُکاں دار چیزیں سجانے لگے

کتابوں کے بستے بغل میں لیے
مدرسوں کو بچے روانہ ہوئے

کوئی اپنے دفتر کو ہے جا رہا
کوئی فیکٹری، کارخانے چلا

سحر نے عطا کی ہے کیسی لگن
مشاغل میں اپنے ہوئے سب مگن

اُجالے کا چہرہ عیاں ہو گیا
شعورِ تگ و دو جواں ہو گیا

مہمان نوازی

آفتاب حسین کھتری، کراچی

ایک دفعہ ایک عباسی خلیفہ بھیس بدل کر سفر کر رہے تھے۔ اُن کے ساتھ ایک خادم بھی تھا۔ اچانک راستے میں بارش ہونے لگی۔ دُور ایک جھونپڑی نظر آئی۔ شام ہونے والی تھی۔ اس لیے انھوں نے رات جھونپڑی میں گزارنے کا فیصلہ کیا اور اپنے خادم کے ساتھ جھونپڑی کی طرف چل پڑے۔

دونوں جب جھونپڑی کے قریب پہنچے تو جھونپڑی کے مالک نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا۔ مہمانوں کے آنے پر وہ بہت خوش تھا۔ وہ انھیں جھونپڑی کے اندر لے گیا اور ان کے ہاتھ منھ دھلوا کر عزت سے بٹھایا۔ جھونپڑی کا مالک ایک غریب کسان تھا جو اپنے شیر خوار بچے اور بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ اُن کی ساری دولت صرف ایک بکری تھی، جس کا دودھ بچے کو پلایا جاتا تھا، کیوں کہ ماں کا دودھ فاقوں کی وجہ سے خشک ہو گیا تھا۔ کسان کے گھر میں اُس دن کھانے کے لیے کچھ بھی نہ تھا، لیکن وہ مہمانوں کو ہر حال میں کھانا کھلانا چاہتا تھا۔ مہمان دُور سے آئے تھے اور بھوکے تھے۔ کسان نے اپنی بیوی سے کہا: "بکری لاؤ، اُسے ذبح کر کے مہمانوں کے لیے کھانا تیار کر لیں۔" کسان کی بیوی کہنے لگی: "اگر بکری نہ رہی تو بچے کو دودھ کہاں سے ملے گا؟"

کسان یہ برداشت نہیں کر سکتا تھا کہ اس کے مہمان بھوکے سو جائیں۔ چناں چہ شوہر کے حکم کے مطابق بیوی بکری پکڑ لائی۔ کسان نے اُسے ذبح کیا اور بیوی نے

کھانا تیار کیا۔ مہمانوں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا اور عشا کی نماز پڑھ کر سو گئے۔ صبح سویرے نماز کے بعد خلیفہ نے خادم سے کہا، "لو یہ ایک ہزار دینار کسان کو دے دو۔" خادم نے کہا، "امیر المومنین کسان کی بکری کی قیمت دو تین درہم سے زیادہ نہ تھی اور وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ آپ کون ہیں۔ اُسے اتنی بڑی رقم دینے کی کیا ضرورت ہے۔"

خلیفہ نے کہا، "اگر کسان مجھے نہیں جانتا تو کیا ہوا میں تو اپنی حیثیت سے واقف ہوں۔ کسان نے اپنا سارا مال ہم پر قربان کر دیا ہے، مگر ہمارے لیے ایک ہزار دینار معمولی سی رقم ہے۔ جاؤ، اسے یہ دینار دے دو اور اس کا شکریہ بھی ادا کر دو۔"

شکر کی کہانی

راجا نوید احمد، کلر سیداں

شکر خدا کی بہت بڑی نعمت ہے۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ دنیا میں مٹھاس اور شیرینی نہ ہوتی تو پھلوں، خوراک اور مشروبات کا ذائقہ کیا ہوتا؟ مٹھائی کا تو نام و نشان ہی نہ ہوتا۔ ہر دعوت اور ہر تقریب میں نمکین ہی نمکین چیزیں ملتیں اور مٹھاس ناپید ہونے کے باعث ہماری باتوں میں بھی شیرینی اور حلاوت کہاں ہوتی؟ ہر بات نمکین، ہر محفل نمکین، ہر مزہ نمکین گویا کہ دنیا ہی نمکین ہوتی اور پھر کسی دن اچانک کوئی سائنس داں تجربہ گاہ میں تولہ بھر چینی یا مصری تیار کرنے میں کامیاب ہو جاتا تو سائنسی تحقیق کے سب سے بڑے اعزاز اور انعام، نوبیل پرائز کا مستحق قرار پاتا مگر یہ چیزیں تو نوبیل پرائز کے قیام سے ہزاروں سال پہلے سے دنیا میں موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی ہم پر یہ خاص عنایت ہے کہ اس نے دنیا کی ہر خوراک اور ہر مشروب میں قدرتی مٹھاس اور شیرینی پیدا کی ہے۔ گندم ہو یا مکئی، باجرہ ہو یا جوار، گنا ہو یا چقندر، آم ہو یا خربوزہ، خوبانی ہو یا آلو بخارا، سیب ہو یا ناسپاتی، انار ہو یا انگور، تربوز ہو یا گرما، عربی کھجور ہو یا چاپانی پھل، ہر چیز میں قدرتی مٹھاس اور لطافت موجود ہے اور خالق کی صناعی اور کیمیا گری کی عظمت و حکمت کا بیّن ثبوت ہے۔ یہ بات اور ہے کہ ہم ناشکرے اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے کے بعد اس کا شکریہ ادا نہ کریں۔ عام طور پر شکر، گنے، چقندر اور چینی گھاس (چائنا گراس) سے حاصل کی جاتی ہے۔ دنیا کی شکر کی ضروریات کا نصف گنے سے اور باقی نصف چقندر اور دیگر پودوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔

گنے کا بانس نما پودا کس نے نہیں دیکھا۔ ماہرین زراعت اسے گھاس کی ایک خاص قسم قرار دیتے ہیں۔ اس کا قد بارہ فیٹ تک طویل ہوتا ہے۔ خطِ سرطان اور خطِ جدی کے درمیانی علاقے منطقہ حارّہ اور اس کے قریبی علاقے میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شکر پیدا کرنے کی صلاحیت سب پودوں سے زیادہ ہے اور اس کے لیے مرطوب آب و ہوا مفید ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس کی کاشت ایسی زمین میں کی جائے جو نہ صرف زرخیز ہو بلکہ زیادہ دیر تک وافر نمی جذب کر سکے۔

ایک اندازے کے مطابق گنّے سے تیار ہونے والی شکر دنیا میں گزشتہ تین ہزار سال سے استعمال ہو رہی ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی اس پودے کی کاشت پیدائشِ مسیح سے کئی سو سال پہلے ہوئی۔ گو ابتدا میں ہمارے بزرگ صرف اس کا رس ہی استعمال کرتے تھے اور خشک شکر کافی دیر بعد تیار ہوئی۔ چین میں گنّے کی کاشت بہت بعد میں کی گئی بلکہ یہیں سے گنّے کا بیج چین بھیجا گیا۔

۳۰۰ قبل از مسیح میں سکندر اعظم کی کمان میں جب یونانی ہندوستان پر حملہ آور ہوئے تو پہلی مرتبہ اہلِ یورپ نے گنّے کو ایک جنگلی گھاس کی طرح وسیع علاقوں میں اُگا ہوا پایا۔ ۶۰۰ء میں گنّے کے رس کو جوش دے کر قلمیں حاصل کرنے کا کامیاب تجربہ کیا گیا۔

مشہور مورخ اور جہاں گرد مارکو پولو نے لکھا کہ مصریوں نے ہڈّیوں کی راکھ کے ذریعہ سے گنّے کے رس سے شکر تیار کرنے کا طریقہ چینیوں کو بتایا۔ شمالی افریقہ اور جنوبی یورپ میں عربوں نے گنّے کی کاشت کو فروغ دیا پھر انھی ملکوں سے گنّے کا پودا رفتہ رفتہ جاوا، فلپائن اور چین تک پہنچ گیا۔ جنگِ صلیب کے دوران گیارھویں صدی میں عیسائی فرانس میں شکر لائے اور پھر یورپ میں بھی شکر کا استعمال شروع ہو گیا۔

ازمنۂ وسطیٰ میں تو شکر کی بہت زیادہ قدر و قیمت تھی۔ اسے ایک بیش قیمت جوہر تصوّر کیا جاتا تھا اور صرف امرا اور رؤسا دعوتوں میں مہمانوں کو پیش کرتے تھے اس کی خاصیتوں کا بڑا چرچا اور اسے ایک عمدہ دوائی اور قوت بخش اکسیر خیال کیا جاتا تھا۔

آج شکر کیوبا میں وسیع پیمانے پر چقندر سے تیار کی جاتی ہے اور دنیا بھر میں فروخت کی جاتی ہے، لیکن سب سے پہلے کولمبس نے اپنے سفر کے دوران سانتا ڈومینگو، کیوبا، غرب الہند اور جنوبی و مرکزی امریکا کے لوگوں کو اس نعمت سے روشناس کرایا۔

گنّے کے علاوہ چقندر سے بھی شکر حاصل کی جاتی ہے۔ سب سے پہلے مرگراف نے برلن کی سائنس اکادمی کی توجہ اس میٹھی سبزی کی جانب دلائی اور شکر حاصل کرنے کے لیے اس کی اہمیت بیان کی۔ پھر تو چقندر شکر کی تیاری میں گنّے کی سب سے بڑی شریک بن گئی اور گنّے کی سرداری جاتی رہی۔ بی چقندر نے حضرت انسان کو وہ نفیس، سلائم، باریک اور شیریں سفوف پیش کیا کہ گنّے کی مٹھاس کو مات کر دیا۔

چقندر سے سب سے زیادہ شکر جرمنی میں تیار کی جاتی ہے۔ جہاں اس صنعت نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ سائنس دانوں اور ماہرینِ زراعت نے تحقیق اور کوشش سے چقندر میں شکر کی مقدار ۱۵ سے ۲۰ فی صد بڑھا دی ہے۔ اسی مٹھاس پر گنّے کو فخر ہے۔ یوں سائنس دانوں کی مہربانی سے گنّے کی سیادت اور اجارہ داری جاتی رہی۔ چینی گھاس سے بھی سیکڑوں سال سے شکر تیار کی جا رہی ہے اور وہاں کے لوگ اس گھاس کے فوائد سے عرصۂ دراز سے آگاہ ہیں۔ امریکا میں بھی اس کی کاشت کی گئی ہے

اور اس سے لذیذ اور شیریں شربت تیار کیا جاتا ہے جو میٹھا بھی ہے اور کئی بیماریوں کا علاج بھی۔

میری گڑیا

مرسلہ: عبدالوکیل، لاہور

میرے ماموں گڑیا لائے
آفت کی اک پڑیا لائے
نیلی آنکھیں بھورے بال
ہونٹ گلابی گورے گال
پتلی گردن چھوٹی ناک
کالے جوتے سرخ فراک
سر پہ ڈوپٹہ ہاتھ میں پرس
لگتی ہے اک ننھی نرس
گڑیا چابی والی ہے
اس کی چال نرالی ہے
اپنے پاس بُلاتی ہوں
لوری دے کے سُلاتی ہوں

روشنی

سیف الدین کامران، کراچی

"ابّو! روشنی کیا ہے؟" طارق نے ایک دن اپنے ابّو سے دریافت کیا۔

طارق کے ابّو مسکرائے اور کہنے لگے "بیٹا، تم نے ایک مشکل سوال پوچھا ہے، میں تمھیں تجربات کی مدد سے بتاؤں گا۔"

"شاید تمھیں یاد ہو کہ میں نے تمھیں ایک مرتبہ گرمی کے بارے میں بتایا تھا۔ دراصل گرمی اور روشنی کئی معنوں میں ایک ہی چیز ہیں۔ اگر تم کچھ دیر سوچو تو تمھیں معلوم ہو گا کہ گرمی اور روشنی دونوں نکلتی ہیں۔ سورج، موم بتّی، بجلی کا بلب یہ سب گرمی اور روشنی دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں گرم چیزیں جو گرمی کی شعاعیں نکالتی ہیں ساتھ ساتھ روشنی کی شعاعیں بھی خارج کرتی ہیں۔ گرمی کی چیزوں کو گرم کر دیتی ہیں، لیکن وہ خود گرم نہیں ہوتیں۔

اسی طرح روشنی کی شعاعیں جب کسی سفید یا رنگین چیز پر پڑتی ہیں تو وہ ظاہر ہو جاتی ہیں، لیکن وہ خود اس قابل نہیں ہوتیں کہ دیکھی جا سکیں۔ کالی چیزیں روشنی کی شعاعوں کو جذب کر لیتی ہیں اس لیے وہ روشنی ظاہر نہیں کرتیں۔

جہاں روشنی اور گرمی میں مشابہت ہے وہاں کچھ طریقوں سے ان میں فرق بھی ہے۔ روشنی ہماری آنکھوں کو اس قابل کرتی ہے کہ وہ کچھ دیکھ سکیں۔ جب کہ گرمی ہماری کھال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ گرمی چیزوں کو پھیلاتی ہے اور ہم روشنی کا زور کسی تھرمامیٹر سے چیک نہیں کر سکتے۔"

"کیا روشنی کی شعاعیں اِیصال کے ذریعہ سے سفر کر سکتی ہیں؟" طارق نے پوچھا۔

"نہیں،" طارق کے ابّو کہنے لگے، "یہ ایک اور فرق ہے۔ روشنی کی شعاعیں صرف اِشعاع یا تنویر (RADIATION) ہی کے ذریعہ سے سفر کر سکتی ہیں۔ روشنی کا ایک قانون یہ ہے کہ وہ صرف سیدھی سفر کرتی

ہے۔ البتہ آئینے وغیرہ کی مدد سے انھیں موڑا بھی جاسکتا ہے۔ مثلاً اگر تم کسی کونے میں کھڑے ہو کر دوسری طرف دیکھنے کی کوشش کرو تو تم نہیں دیکھ سکتے ہو، لیکن ایک آئینے کی مدد سے تم یہ کر سکتے ہو۔ اب میں تمھیں ایک تجربہ دکھاؤں گا۔" یہ کہہ کر طارق کے ابّو نے ایک گتّے کے درمیان ایک لمبی سی لائن کاٹ دی۔

"اب میں تمھیں یہ بتاؤں گا کہ تم مختلف چیزوں کو کیسے دیکھ سکتے ہو۔ سورج، ٹارچ وغیرہ کو تو تم اس لیے دیکھ سکتے ہو کہ وہ روشنی خارج کرتی ہیں، لیکن کتابیں، تمھارے جوتے، تمھاری پنسل یہ سب چیزیں روشنی تو خارج نہیں کرتیں پھر تم انھیں کیسے دیکھ سکتے ہو۔" یہ کہہ کر انھوں نے کٹے ہوئے گتّے کو دونوں طرف سے تھوڑا تھوڑا موڑ کر گتّے کو میز پر رکھ دیا اور ایک سرے پر ٹارچ روشن کی۔ ٹارچ کی روشنی ایک باریک لکیر کی صورت میں دیوار پر پڑی۔ پھر دیوار پر اُس جگہ جہاں روشنی کی لکیر پڑی تھی وہاں ایک آئینہ رکھ دیا۔ اسی وقت ایک اور لکیر آئینہ میں سے نکلی۔ طارق کے ابّو نے بتایا کہ آئینے نے روشنی کی لکیر کو اُسی زاویے پر منعکس کر دیا ہے۔ اس طرح روشنی کی لکیر موڑ دی ہے۔ انھوں نے آئینہ کو ہلایا جُلایا تو عکس بھی ہلنے جُلنے لگا۔ "جب بھی سفید روشنی کسی چیز پر پڑتی ہے تو وہ منعکس ہو جاتی ہے۔ آئینہ سب شعاعوں کو اُسی حالت میں اُسی زاویے پر منعکس کر دیتا ہے، لیکن دوسری چیزوں میں روشنی کی لکیر اُسی حالت میں منعکس نہیں ہوتی، بلکہ ہزاروں باریک باریک شعاعوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ان میں سے کچھ شعاعیں ہماری آنکھوں کی پتلی سے ٹکراتی ہیں اور ہم اُن چیزوں کو دیکھ سکتے ہیں۔"

قسمت آزمائی

عبد الستار بھٹہ، ہارون آباد

ایک آدمی بہت غریب تھا۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ جب وہ مرنے لگا تو اُس نے اپنے بیٹوں کو بُلایا اور کہا، "میرا آخری وقت آگیا ہے۔ میرے پاس تمھارے لیے کوئی رُپیہ پیسہ نہیں ہے اور یہ تین چیزیں جو میں تمھیں دے رہا ہوں، بے کار سی ہیں۔ اس لیے ایسی دنیا تلاش کرنا جہاں ابھی لوگ ان چیزوں کی قدر جانتے ہوں۔ شاید اس طرح تمھاری قسمت جاگ اُٹھے۔"

یہ کہنے کے بعد اس نے بڑے بیٹے کو ایک مرغ دیا۔ دوسرے کو درانتی اور سب سے چھوٹے کو ایک بلّی۔ باپ کے مرنے کے بعد بڑا بیٹا مرغ کو بغل میں دبا کر چل پڑا۔ وہ جس جگہ جاتا مرغوں کی آواز اس کے کانوں میں پڑتی۔ کوئی شہر کوئی گاؤں اس سے خالی نظر نہ آتا تھا۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں کوئی مرغ موجود نہ تھا۔ جزیرے کے رہنے والے مرغ کو دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور لڑکے سے پوچھا کہ یہ کیا پرندہ ہے؟

لڑکا بولا، "یہ ایک بڑا شان دار پرندہ ہے۔ رات بھر میں تین دفعہ اذان دیتا ہے اور تیسری اذان کے ساتھ ہی سورج نکل آتا ہے۔ کبھی کبھی دن کو بھی چلّاتا ہے اس سے

تم جان سکتے ہو کہ موسم بدل رہا ہے۔" جزیرے کے لوگ یہ سُن کر بہت خوش ہوئے۔ وہ رات بھر جاگتے رہے اور اُن کی خوشی کا کوئی اندازہ نہ رہا جب مرغ نے رات کو اذان دی۔ اب انھوں نے لڑکے سے پوچھا کہ کیا تم یہ مرغ فروخت کرو گے۔ لڑکا بولا، "جی ہاں۔" انھوں نے پوچھا، اس کے بدلے میں کیا لو گے۔ لڑکے نے جواب دیا، "اس کا مول ایک بوری سونا ہے۔" انھوں نے ایک ساتھ کہا، "قیمت بہت مناسب بتائی ہے۔" اور لڑکے کو سونا دے کر رخصت کیا۔ جب لڑکا گھر پہنچا تو اُس کے بھائی اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

اب منجھلا بیٹا دراتنی لے کر چل پڑا، لیکن بے چارے کو بہت مایوسی ہوئی، کیوں کہ وہ جہاں بھی جاتا دراتنی موجود ہوتی۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں کے لوگوں نے پہلے کبھی دراتنی نہیں دیکھی تھی اور جب اُن کی فصل پک جاتی تھی تو وہ اُسے ہاتھوں سے اکھیڑتے تھے۔ یہ بہت ہی سخت کام تھا۔ لڑکے نے جب یہ دیکھا تو اپنی دراتنی نکالی اور سارے کھیت کو صاف کر دیا۔ لوگ تعجب سے اُسے دیکھنے لگے اور اُسے منھ مانگی قیمت دینے پر تیار ہو گئے۔ چناں چہ وہ سونے سے لدا ہوا گھوڑا لے کر گھر واپس آ گیا۔

اب چھوٹا بھائی اپنی قسمت آزمانے نکلا۔ وہ کئی شہروں اور گاؤں میں پھرا، لیکن ہر جگہ اُسے بلیّاں نظر آئیں۔ آخر وہ بھی ایک ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں کبھی بلّی کی صورت تک نظر نہ آئی تھی اور لوگوں کے گھروں میں اس قدر چوہے تھے کہ وہ ہر جگہ اور ہر چیز پر ناچتے پھرتے تھے۔ لوگوں کا اُن کی وجہ سے ناک میں دم تھا۔ خود بادشاہ کے محل میں بھی یہی حال تھا۔ بادشاہ نہیں جانتا تھا کہ چھٹکارا کیسے حاصل کرے۔ چوہے کھانے کی چیزوں کو خراب کر دیتے تھے اور کپڑوں کو بھی کتر جاتے تھے۔ یہاں تک کہ سوتے ہوئے بادشاہ کے اوپر ناچنے لگتے۔ بادشاہ کے محل میں لڑکے نے جا کر بلّی کو چھوڑ دیا۔ بلّی نے آنکھ جھپکتے میں چوہوں کا صفایا کر دیا۔ اب لوگوں نے بادشاہ سے اس عجیب و غریب جانور کے خریدنے کی التجا کی۔ بادشاہ نے خوشی خوشی لڑکے کو سات گھوڑے ہیرے، جواہرات، موتیوں اور سونے سے لدے ہوئے دیے اور بلّی خرید لی۔ اب تینوں بھائی ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگے۔

استاد

مرسلہ: طلعت حسین، کراچی

ذہنوں کو چمکانے والا
محنت پر اُکسانے والا
نیک و بد سمجھانے والا
دانش مند بنانے والا
شمعِ علم جلاتا ہے وہ
سیدھی راہ دکھاتا ہے وہ
فکر و نظر کا داتا ہے وہ
سب بچّوں کو بھاتا ہے وہ
رہ بر ہے وہ نیک چلن کا
مخلص خادم قوم و وطن کا

گیلیلیو

فوزیہ ظہور، مظفر گڑھ

اٹلی کا مشہور سائنس داں گیلیلیو ۱۵ جنوری ۱۵۶۴ء کو پسا کے مقام پر پیدا ہوا۔ اس نے پسا یونی ورسٹی میں ہی تعلیم حاصل کی اور اپنے میڈیکل کے مضمون کو سائنس کے مضمون سے بدل لیا۔ سائنسی تجربے کیے اور کبھی کسی کی نقل نہیں کی۔

جوانی کے آغاز میں ایک دن وہ جب گرجا میں گئے تو وہاں ایک لیمپ جھول رہا تھا۔ انھوں نے ایک طرف سے اس لیمپ کی حرکت کو دیکھا اور دوسری طرف اپنی نبض پر انگلیاں رکھیں اور معلوم کر لیا کہ لیمپ کی حرکت باقاعدہ ہے۔ چناں چہ اس سے انھوں نے پنڈولم ایجاد کر لیا اور ایک گھنٹے میں اس کو لگا کر بھی دکھایا۔ یہ اصول آج تک انسان کی نبض دیکھنے کے لیے، سورج گرہن دیکھنے کے لیے، گھنٹے میں وقت معلوم کرنے کے لیے اور ستاروں کی گردش وغیرہ معلوم کرنے کے کام آتا ہے۔ گیلیلیو ریاضی کا مطالعہ کر کے پسا ہی میں ریاضی کے پروفیسر بن گئے۔

انھوں نے ۱۵۵۲ء میں پہلا تھرمامیٹر بنایا۔ ۱۶۰۹ء میں ایک دُوربین بنائی۔ سورج کے دھبّوں پر ایک کتاب شائع کی۔ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے۔ یہ نظریہ چوں کہ اس وقت کے عیسائی عقیدے کے خلاف تھا، اس لیے ان پر مقدمہ چلایا گیا اور عدالت نے کہا کہ اگر اس نے توبہ نہ کی تو شکنجے میں کس کر سخت سزا دی جائے گی۔ چناں چہ انھوں نے سزا سے ڈر کر فوراً توبہ کر لی، لیکن دبی زبان میں کہا کہ زمین گھوم رہی ہے۔ انھوں نے اپنی تمام زندگی علمی تحقیقات میں صَرف کر دی۔ گیلیلیو نے ۱۶۴۲ء میں انتقال کیا۔

کرکٹ

خالدہ نسرین، کراچی

یوں تو انگلستان کو کرکٹ کا گھر کہا جاتا ہے، مگر ویسٹ انڈیز کی ٹیم اس کھیل میں سرِفہرست نظر آتی ہے۔ ۱۷۷۷ء میں اس کھیل کو کرکٹ کا نام دیا گیا۔ سب سے پہلا کرکٹ میچ آسٹریلیا اور انگلستان کی ٹیموں کے درمیان کھیلا گیا۔ اس وقت سات ملکوں کو ٹیسٹ کرکٹ کھیلنے کا حق حاصل ہے، جن کے نام یہ ہیں: آسٹریلیا، بھارت، انگلستان، سری لنکا، ویسٹ انڈیز، نیوزی لینڈ اور پاکستان۔ جنوبی افریقہ کی ٹیم ایم سی سی (مارلبورن کرکٹ کانفرنس) کی جانب سے عائد کردہ پابندی کی وجہ سے تقریباً گزشتہ ۱۴ سال سے ٹیسٹ کرکٹ نہیں کھیل رہی ہے۔

کرکٹ کا ٹیسٹ میچ پانچ روزہ ہوتا ہے۔ ٹیسٹ کرکٹ کے علاوہ آج کل کے دَور میں "ایک روزہ کرکٹ" نے بھی بڑی مقبولیت حاصل کی ہے۔ ایک روزہ کرکٹ میں مختلف ٹورنامنٹ کرائے جاتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا ٹورنامنٹ "ورلڈ کپ" ہے جو ہر چار سال بعد

منعقد کرائے جاتے ہیں۔ اب تک تین ورلڈ کپ ٹورنامنٹ کرائے جا چکے ہیں اور یہ تینوں انگلستان میں ہوئے ہیں۔ پہلے اور دوسرے میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے کامیابی حاصل کی جب کہ تیسرے ورلڈ کپ میں بھارت نے ویسٹ انڈیز جیسی مضبوط ٹیم کو فائنل میں شکست دے کر عالمی چیمپئن ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔ ورلڈ کپ کے پہلے مقابلے جون ۱۹۷۵ء میں، دوسرے ۱۹۷۹ء میں اور تیسرے ۱۹۸۳ء میں ہوئے تھے۔ پہلے ورلڈ کپ میں آٹھ ٹیموں نے حصہ لیا اور پہلی پوزیشن ویسٹ انڈیز نے، دوسری پوزیشن آسٹریلیا نے اور تیسری پوزیشن انگلستان نے حاصل کی تھی۔ پہلے ورلڈ کپ میں پاکستان ویسٹ انڈیز سے صرف ایک رن سے ہارا تھا۔ ایک روزہ کرکٹ میں ایک اور ٹورنامنٹ "بینسن اینڈ ہیجز" (BENSON HEDGES) ٹورنامنٹ ہوتا ہے جس میں پاکستان، آسٹریلیا اور ویسٹ انڈیز کی ٹیمیں شرکت کرتی ہیں۔ "ایشز سیریز" انگلستان اور آسٹریلیا کی ٹیموں کے درمیان کھیلی جاتی ہے۔

ٹیسٹ کرکٹ میں "ٹیسٹ ڈبل" اس وقت ہوتا ہے جب کوئی کھلاڑی ایک سو وکٹیں لے اور ساتھ ہی ایک ہزار رنز بنائے۔ آسٹریلیا کے جارج گفن نے ۱۸۹۶ء میں سب سے پہلے ٹیسٹ ڈبل کیا۔ ٹیسٹ کرکٹ میں مختلف پارٹنر شپس کے ریکارڈ بنتے اور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ جاوید میاں داد اور مدثر نذر نے ۸۳-۱۹۸۲ء کی سیریز کے دوران بھارت کے خلاف ۵۱۴ رنز بنائے اور وکٹ پارٹنر شپ کا سب سے بڑا عالمی ریکارڈ برابر کیا۔ اس سے پہلے یہ ریکارڈ آسٹریلیا کے بریڈمین اور پونسفورڈ کا تھا۔ کرکٹ میں کبھی کبھار ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی ٹیسٹ گراؤنڈ کسی خاص ٹیم کے لیے مبارک ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح "نیشنل اسٹیڈیم کراچی" کا گراؤنڈ پاکستان کے لیے بہت مبارک ہے۔ اس پر اب تک پاکستان نے سب سے زیادہ ٹیسٹ میچز جیتے ہیں۔ وہ کھلاڑی بہت خوش نصیب ہوتے ہیں جو اپنے پہلے ٹیسٹ میں اچھا اسکور کریں یا پہلی گیند پر پہلی وکٹ لیں۔ پاکستانی کھلاڑی انتخاب عالم نے اپنے پہلے ہی ٹیسٹ کے پہلے اوور کی پہلی گیند پر وکٹ حاصل کی تھی۔ اسی طرح میاں داد نے اپنے پہلے ٹیسٹ میں سینچری بنائی تھی۔ عمران خان نے اپنی دو سو دس وکٹ کراچی ٹیسٹ میں ۸۳-۱۹۸۲ء سیریز کے دوران بھارت کے بہترین کھلاڑی گنڈاپا وشوانا تھ کو آؤٹ کر کے حاصل کی تھی۔ پاکستانی کھلاڑی حنیف محمد کو "لٹل ماسٹر" بھی کہا جاتا ہے۔

پاکستان کرکٹ ٹیم زندہ باد! پاکستان پائندہ باد۔

دَوات کی آپ بیتی

کوثر چاندپوری

میں لوح و قلم کی درمیانی چیز ہوں۔ اگر میں نہ ہوں تو یہ دونوں لکھنے سے معذور ہو جائیں۔ لوح، تختی کو کہتے ہیں۔ قلم اُس وقت تک تختی پر نہیں لکھ سکتا جب تک اسے میری مدد حاصل نہ ہو۔ عمر کے لحاظ سے میں بوڑھی ہوں، بہت بوڑھی، لیکن بُڑھاپے کی سفیدی مجھ پر غالب نہیں آسکتی۔ میرے تین رنگ ہیں۔ کالا، ہرا اور لال۔ قلم انھیں رنگوں سے حروف اور الفاظ بناتا ہے۔ میری ساری زندگی ظلم سہتے سہتے گزری ہے۔ میں بڑی ستم رسیدہ اور مظلوم ہوں۔ میرے پیٹ کی آنتیں تک زخمی ہیں۔ پہلے میرے پیٹ میں کپڑا ٹھونس کر سیاہی ڈالی جاتی تھی، اب یہ رواج نہیں رہا۔ میرے اندر کالا یا لال پانی انڈیل دیا جاتا ہے، اس میں قلم کو ڈبو کر لکھا جاتا ہے۔ یہ پانی ہی میرا خون ہے، جس کو قلم نہ جانے کب سے نکیلی زبان سے چُوس رہا ہے۔ میں خدا کے حضور میں دعائیں کرتی تھی کہ قلم کو میرا کلیجہ چیر کر لہو نچوڑنے کی اجازت نہ دی جائے۔ وہ سب کی سُنتا ہے، میری بھی سُن لی اور پرانا دستور بدل گیا۔ اب صُوف میرے پیٹ میں نہیں ٹھونسا جاتا۔ قلم بھی بہت کم لہو پیتا ہے۔ قدرت نے اس طریقے کی صورت بدل دی ہے، جس سے میری جان میں جان آگئی ہے اور قلم کی نوکیں پیٹ اور آنتوں میں سوئیاں نہیں چبھوتیں۔ اس کو میری ضرورت بھی نہیں رہی۔ میری دُعا سے اس کے منھ میں رکھی ہوئی زبان کاٹ لی گئی ہے۔ اس کی جگہ لمبی پنسل رکھ دی گئی ہے جو نیلی بھی ہوتی ہے اور سُرخ بھی۔ لکھنے والے اس سے لکھتے ہیں۔ اس طرح نہ تو ان کے ہاتھوں میں داغ پڑتے ہیں اور نہ کاغذ پر قلم کو قے کرنے کی زحمت ہوتی ہے۔ اس نیلی یا لال پنسل کو قلم میں ڈال کر لکھنے والے حضرات کاغذ پر فَرفَر لکھتے چلے جاتے ہیں۔

پرانی ریت ختم ہو گئی اور میرے اوپر جو ستم توڑے جا رہے تھے اُن کا سلسلہ بھی بند ہو گیا ہے۔ میں لکڑی یا کانچ کے خوب صورت قلم دانوں میں رکھی ضرور رہتی ہوں، لیکن مجھے ستایا نہیں جاتا۔ پہلے میاں جی کے قلم دان میں قلم تراش یعنی چاقو بھی رکھا رہتا تھا۔ وہ قلم کو تراش کر اس پر قَط رکھ دیا

کرتے تھے جو میرے اوپر برچھی کی اَنی کا کام کیا کرتا تھا۔ اسے میرے لہو میں ڈبو کر کاغذ پر لکھا جاتا تھا اور قلم کی زبان سے لوگ دعوا کیا کرتے تھے کہ میں سارے جہاں کا بادشاہ ہوں۔ جن ہاتھوں میں آجاتا ہوں اُن کو بھی امیر اور وزیر بنا دیتا ہوں۔ یہ دولت اور حکومت قلم کی دَین نہیں ہوا کرتی تھی اس میں میرا ہاتھ تھا۔ میرے اندر روشنائی بھر دی جاتی تھی۔ اس میں قلم بھگو کر لکھا جایا کرتا تھا۔

صدیوں مجھ پر یہ ظلم ڈھایا جاتا رہا۔ خدا خدا کر کے رواج بدلا اور پنسل ایجاد ہو گئی جو قلم کے حلق میں سما جاتی ہے اور وہ میری مدد کے بغیر لکھنے لگتا ہے۔ ایسے لوگ گنے چنے ہی رہ گئے ہیں جو قلم کو میرے پیٹ میں ڈال کر میرے خون سے لکھتے ہیں۔ اس پنسل سے پہلے بس اتنا ہی ہوا کہ امریکا وغیرہ کے بنے ہوئے قلموں میں ڈراپر سے روشنائی بھر کر لکھا جانے لگا تھا۔ اس سے میرا وزن ہلکا ہو گیا تھا اور اب تو میں بالکل ہلکی پھلکی ہو گئی ہوں۔ پنسل کو میری اولاد ہی سمجھیے، جو بہت سعادت مند ہے۔ میری تکلیف کا بہت خیال رکھتی ہے۔ میرا لہو نہیں چُوستی۔

پنسل کو میری اولاد سمجھنے پر کوئی حیرت نہیں کرنی چاہیے۔ یہ معاملہ بالکل ویسا ہی ہے جیسے لیموں کی شاخ میں پیوند لگا کر سنترہ حاصل کر لیا گیا ہے۔ پنسل سے کام لینے والوں کو بھی بڑی سہولت ہو گئی ہے۔ بار بار روشنائی میں قلم بھگونے کی زحمت سے بچ گئے ہیں۔ قلم کے پیٹ میں جو پنسل رکھی گئی ہے وہ نئی بنائی دُکان سے مِل جاتی ہے۔ اس کو قلم کے منھ میں ڈالنے کے لیے کسی ڈاکٹر یا حکیم کا ممنون نہیں ہونا پڑتا، ہر آدمی آسانی سے ڈال سکتا ہے۔ مجھ کو بڑا سکون مل گیا ہے۔ لکھنے والوں کی سہولت کو دیکھ کر میں اس ظلم کو یاد کر لیتی ہوں جو برسوں بلکہ صدیوں مجھ پر کیا جاتا رہا ہے اور اطمینان کی سانس لے کر کہہ دیتی ہوں:

بارے آرام سے ہیں اہلِ قلم میرے بعد

مجھے کسی سے عداوت نہیں۔ ایسا ہوتا تو لکھنے والوں کے آرام پر خوش نہ ہوتی۔ میں کسی پر ظلم ہوتے نہیں دیکھ سکتی۔ میرا سینہ ہر قسم کے کینے سے پاک اور دل صاف ہے۔ اس عادت کے طفیل میں اللہ نے مجھے ایسا اطمینان عطا کیا ہے کہ میں چین کی نیند سوتی ہوں۔

آج کل میں تاریخی چیز بن گئی ہوں۔ قلم دانوں میں رکھی میزوں کی زینت ہی بنی رہتی ہوں۔ مجھے ستایا نہیں جاتا۔ اُس زمانے کو کبھی کبھی یاد ضرور کر لیتی ہوں جب مجھے ہر لمحہ مصیبت کا سامنا

رہتا تھا۔ اب میرا خون نلکیوں سے قلموں کے پیٹ ہی میں اُتار دیا جایا کرے گا۔ اُنھیں میرے کلیجے میں نُکیلی زبانیں چبھونے کی آزادی نہیں ہو گی۔ میں دُعا کرتی ہوں کہ میری ساری بہنوں کو بھی میرے ساتھ قلموں کی نوک چُبھنے کی تکلیف سے چھٹکارا مل جائے۔ ضرور ایسا ہی ہو گا۔ ظلم ایسی چیز نہیں جو سدا جاری رہ سکے۔ مولانا اسمٰعیل میرٹھی نے سچ کہا ہے:

ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں
ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں

ایک وقت آتا ہے جب کاغذ کی کشتی ڈوب کر رہتی ہے اور بھیگتے بھیگتے پانی میں غرق ہو جاتی ہے۔ اے خدا، تُو نے مجھ پر جیسا فضل کیا ہے ویسا سب مظلوموں پر کر اور انھیں دوسروں کے ستم سے بچا۔

پتا نہ لکھنے کے نقصان

بعض نونہال جب کوئی خط لکھتے ہیں، مضمون، کہانی، تصویر یا تحریر بھیجتے ہیں تو اس پر اپنا پتا نہیں لکھتے۔ بعض نونہال ایک لفافے کی کئی تحریروں میں سے کسی ایک تحریر پر یا صرف لفافے پر اپنا پتا لکھنا کافی سمجھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب یہ تحریریں الگ خانوں یا فائلوں میں چلی جاتی ہیں تو اُن کے ساتھ پتا نہیں رہتا۔ نونہالوں کے اخلاق بہت اچھے ہیں۔ اس لیے ان کو یہ نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ کسی کو خط لکھا جائے تو اس کو اپنا پتا لکھنا بھی اخلاقی فرض ہے اس لیے جب بھی آپ کوئی خط یا تحریر لکھیں سب سے پہلے کاغذ کے اوپر اپنا نام اور پورا پتا صاف صاف لکھیے۔

پتا نہ لکھنے سے کئی طرح کے نقصان ہوتے ہیں۔ ایک تو یہی ہے کہ جس کو آپ نے خط لکھا ہے اس کو پریشانی اور الجھن ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آپ کو جواب نہیں ملتا یا آپ کی تحریر شائع نہیں ہوتی۔ تیسرے ایک نقصان اور بھی ہے۔

وہ نقصان ہے کہ ہمارے صدر مجلس محترم حکیم محمد سعید صاحب کبھی کبھی کسی نونہال کی تحریر سے خوش ہو کر خوشی کے اظہار کے لیے اس کو کوئی کتاب تحفے میں بھیجتے ہیں۔ پتا نہیں ہو گا تو تحفہ کہاں بھیجیں گے؟ خط لفافے میں بند کرنے سے پہلے دوبارہ دیکھ لینا چاہیے کہ ہم کہیں اپنا نام پتا لکھنا تو نہیں بھولے۔ شاباش۔

چوہے کو راستہ بتائیے

چوہا پنیر کی تلاش میں ہے۔ اگر آپ اس کے پیچھے پیچھے جاسکیں تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ پنیر کہاں رکھا ہے۔

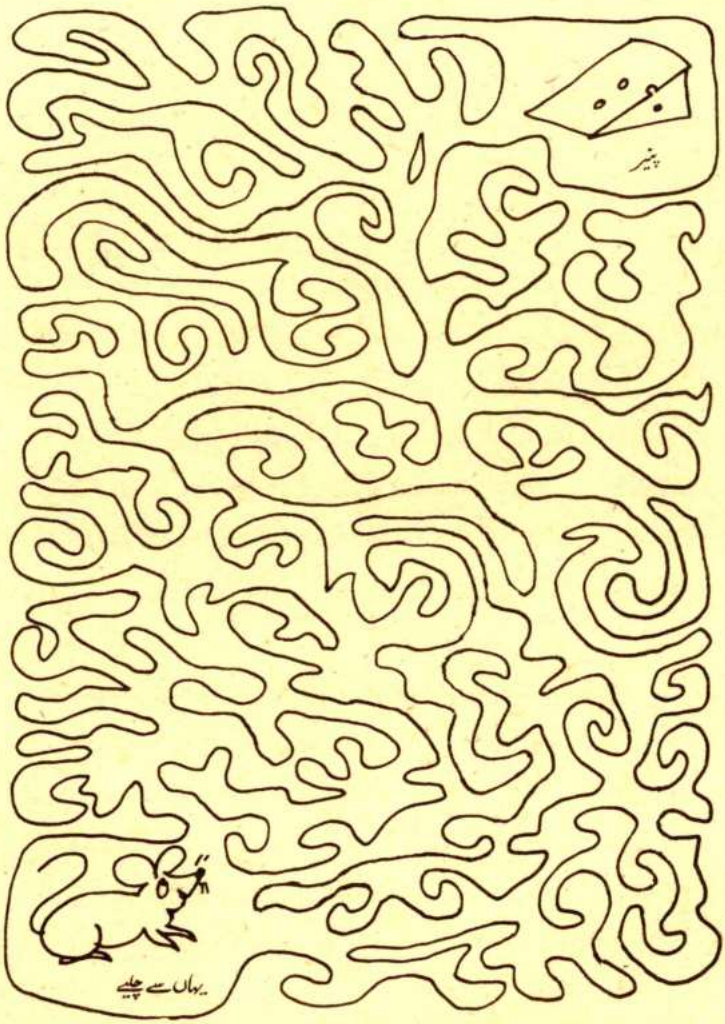

انعام کا اعلان

معلومات عامہ ۲۲۱ کے جوابات
اور
انعام پانے والوں کے نام

خاص نمبر (ستمبر ۸۴ء) میں معلومات عامہ ۲۲۱ کے بیس سوالات کے صحیح جوابات پر دو ہزار روپے کا اعلان کیا گیا تھا۔

صحیح جوابات یہ ہیں

۱۔ حضور اکرمؐ نے سید الانصار کا لقب حضرت سعد بن معاذؓ کو عطا فرمایا تھا۔

۲۔ پاکستان کے دوسرے صدر فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں تھے۔

۳۔ قرآن کا سب سے پہلا مفسر حضرت عبداللہ ابن عباس کو کہا جاتا ہے۔

۴۔ براعظم افریقہ کے سب سے بڑے دریا کا نام نیل ہے۔

۵۔ پاکستان کے شہر ملتان کو سورج کا گھر کہا جاتا ہے۔

۶۔ بیگم محسن کا قد ۵ فیٹ ۳ انچ ہے۔

۷۔ بیٹری (ٹارچ) کا ایک عام سیل (ڈرائی سیل) ۱۶۵ وولٹ کا ہوتا ہے۔

۸۔ ۱۹۶۰ء میں امریکا کے صدر جنرل آئزن ہاور تھے۔

۹۔ بیگم حسن کی اولاد میں کُل ۵ بہن بھائی ہیں۔

۱۰۔ کُہرام اردو زبان کا لفظ ہے، اگرچہ اس کی اصل ہندی ہے۔

۱۱۔ اردو ادب کا مشہور کردار "قاضی جی" شوکت تھانوی کی تخلیق ہے۔

۱۲۔ کبڈی اولمپک کھیلوں میں شامل نہیں ہے۔

۱۳۔ سانپ مور کی پسندیدہ غذا ہے۔

۱۴۔ لڑکی کا جواب اس لیے غلط ہے کہ بائبل یا کسی بھی کتاب کے صفحہ ۹۳ اور صفحہ ۹۴ کے درمیان کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ صفحہ ۹۴ ہمیشہ صفحہ ۹۳ کی پشت پر ہوتا ہے۔

۱۵۔ شطرنج کو مغلیہ دورِ حکومت میں زیادہ فروغ ملا۔

۱۶۔ بیگم شائستہ اکرام اللہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خاں کے دورِ صدارت میں مراکش کی سفیر رہی تھیں۔

۱۷۔ شفیق الرحمٰن جو ڈاکٹر (معالج) ہونے کے علاوہ اردو کے مشہور مزاح نگار ادیب بھی ہیں، ان کی چند تصانیف یہ ہیں: کرنیں، شگوفے، حماقتیں، مزید حماقتیں، مدوجزر، پرواز، لہریں، دجلہ۔

۱۸۔ سراغ رساں اس لیے صحیح کہتے ہیں کہ جب بیوی سوتے ہی دہشت سے مر گئی تو شوہر کو خواب دیکھنے کی بات کس نے بتائی۔

۱۹۔ سویڈن میں جن مشہور حکیم کو ڈاکٹر اوف سائنس کی ڈگری عطا کی گئی اُن کا نام حکیم محمد سعید ہے۔

۲۰۔ میر تقی میر، نظیر اکبر آبادی اور غالب اردو کے تینوں بڑے شاعروں میں یہ بات بھی مشترک ہے کہ ان تینوں کا تعلق آگرے

(اکبر آباد) سے ہے۔

۲۱ ۔ جی ہاں غلط ہے، کیوں کہ بوعلی سینا کی کتاب "القانون فی الطب" قانون کی کتاب نہیں، بلکہ طب کی کتاب ہے۔

۲۲ ۔ مشہور شاعر اور ادیب احمد ندیم قاسمی کا اصل نام احمد شاہ ہے۔

۲۳ ۔ اولمپک کھیل صرف پیرس، لندن اور لاس اینجلز میں دو دو مرتبہ کھیلے گئے۔

۲۴ ۔ "طیور آوارہ" نظم کی کتاب ہے اور اختر شیرانی کا مجموعۂ کلام ہے۔

۲۵ ۔ وہ کسان بطخ کے انڈے کھاتا تھا۔

۲۶ ۔ گھوڑا دس سال کی عمر ہونے کے بعد دس سال کا ہو جاتا ہے اور گھوڑا ہی رہتا ہے۔

۲۷ ۔ دونوں کی پسلیوں کی تعداد برابر ہوتی ہے۔

۲۸ ۔ جی ہاں، باغ اردو میر شیر علی افسوس کی کتاب کا نام ہے۔ جو شیخ سعدی کی گلستان کا اردو ترجمہ ہے۔

۲۹ ۔ کراچی میں میونسپل کمیٹی پاکستان بننے سے بہت پہلے یعنی ۱۸۵۲ء میں قائم ہوئی۔

۳۰ ۔ جاپان کے سکّے کا نام ین (YEN) ہے۔

ہمیں خوشی ہے کہ اس بار پچھلے سال سے بھی زیادہ تعداد میں نونہالوں نے دل چسپی اور شوق کا مظاہرہ کیا۔ ہزاروں کی تعداد میں جوابات بھیجے۔ جوابات سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے بڑی محنت سے جوابات تلاش کیے۔ تلاش میں جو مزہ ہے وہ اپنی جگہ خود انعام ہے، پھر شوق سے جو کام کیا جاتا ہے اور اس کا نتیجہ دیکھنے کے لیے جو بے چینی ہوتی ہے اس کے لُطف کا بھی کوئی جواب نہیں۔ تیس جوابات تو صرف دو نونہال ہی بھیج سکے، لیکن ۲۵ تا ۲۹ صحیح جوابات دینے والوں کی تعداد ماشاءاللہ خاصی ہے، یعنی تقریباً چار سو۔

۱۷ سے ۲۴ تک صحیح جوابات بھیجنے والوں کی تعداد اور بھی زیادہ ہے۔ یعنی تقریباً ساڑھے گیارہ سو۔

بالکل صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کے نام اور پتے یہ ہیں:۔

(۱) عمران احمد فرزند شیخ ریاض احمد اسٹیل والے، گلی مولوی سراج دین، تھانے والا بازار، گوجرانوالہ۔

(۲) زینب شیخ دختر عنایت اللہ شیخ، کاشف چیمبرز، رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار کراچی ۲۔

اعلان کے مطابق دو ہزار رُپے کا انعام دونوں میں برابر تقسیم کر دیا گیا۔ ان دونوں کو ایک ایک ہزار رُپے ایک ماہ کے بعد بھیج دیے جائیں گے۔ ہم ان دونوں نونہالوں کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ہم نے پوری توجہ کے ساتھ جو بات جانچے ہیں اور پوری کوشش کی ہے کہ کسی کے ساتھ ناانصافی نہ ہو۔

۲۵ تا ۲۹ صحیح جوابات بھیجنے والوں کو جناب حکیم محمد سعید صاحب کے دستخطوں سے ایک ایک کتاب بھیجی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ نونہال اس کتاب کو بھی محفوظ رکھیں گے اور جب وہ بڑے ہوں گے تو اس کتاب کی حیثیت تاریخی ہو جائے گی۔ چناں چہ یہ بھی بہت اچھا انعام ہوا۔

ان نونہالوں کے نام یہاں شائع کیے جا رہے ہیں۔

۲۵ تا ۲۹ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہال

کراچی ۔	محمد یاسین	فرح عزیز	زینت یوسف	عظمیٰ الیاس
سعدیہ حلیم	طیبہ مقبول مرسوی	احمد دین	روبینہ نورالدین	ناہید اقبال
زرقا پریوش	خالد حنیف	خالد خورشید آفاق اثری	شازیہ آفاق	سید کامران رضا

سید عامر رضوی	طارق خاور	ارم فضل	اشہر سعید عالم	جلال الدین
حلیمہ کوثر	سید محمد اصغر شمسی	شیر احمد جلال افغانی	سید انیس حسن	محمد سمیع الرحمٰن
محمد علی	سید مقصود الحق	عمران خلجی	محمد طاہر خان	ناصر رئیس قریشی
عظمیٰ بیگ	ارشاد محمود	ندا انصاری	سید ظفر عباس	ارشد مسعود خان نیازی
اسما مریم	آصف رشید	فوزیہ ممتاز	ثمینہ نوشین	سید نہال اظہر علی کرمانی
نورین سلیم	عظمیٰ حفیظ علوی	کامران حفیظ علوی	محمد عارف عبدالغفور	محمد ادریس قمر
عنبرین رحمٰن	ارشد بیگ	ازہر محمود عالم عثمانی	ریحان اقبال	سعید حسین رضوی
شازیہ رحمٰن	سید حسنین حیدر	محمد عمران شرافت	زینب علی رضوی	احسان قریشی
محمد حسین میمن	رفعت قریشی	محمد مشتاق خانانی	فیصل مجید بھٹی	خلیل الرحمٰن
اقبال نور خاں	احمد اختر خاں	صائمہ حمید	ندیم مزمل	رشاد فرید
ارشد جہانگیر عزیز	شیخ عبدالقادر رازی	وردہ خورشید بھٹی	محمد اسرار	محمد خالد رانا
ریاض الدین ملک	بشریٰ فرید	محمد اطہر عزیز	ایس۔ایم سلیم صدیقی	سید محمد ریحان رضوی
فیصل عابد	محمد عابد علی خان	فیصل نعمان	شمیمہ زرین	سید فہد احمد بخاری
سید عباس الحیسی	اسلام الدین انصاری	ریشا انیس	جاوید سلیم اسمٰعیل	ثمر ابرار
نگہت ناصر رضوی	تزئین فاطمہ	شہناز فاطمہ نقوی	غزالہ حنیف	آنسہ ثمر جہاں
سید قمر عباس	عائشہ حسینی	شمائل حیدر	شائستہ انگبین	اعزاز شکیل کرمانی
عنبر ابرار	محمد شہباز	سعید خاں	مہوش مزمل	سید فیصل احمد بخاری
فرخ احمد	سید غلام عباس نقوی	رانی درخشاں	نوید الرحمٰن	ثمینہ شفیع
سید نور الحسن	سید سعد اختر	زہرا محمد یونس	سعدیہ غفران	فیصل خلجی
خرم شرافت	فرحان آفتاب	نرگس جبیں	عمران اختر صدیقی	نغمہ پروین
شائستہ فرحان	صنوبر اختر	ناہید یامین	خالد احسن	مناف حبیب تبسم
طلعت الزہرا	محمد شمیم اختر	فاطمہ حبیب	سید محمد فرحان رضوی	شاہد احمد شاہد
عاطف بخاری	سید شعیب قادری	شگفتہ ناز	شگفتہ رضوی	عظمیٰ اقبال
سید آصف اعجاز	بشریٰ نقی	شائستہ بیگم	آفتاب احمد خان	نوید نسیم
عتیق الرحمٰن ملک	فلزہ احمد	محمد عامر شفیق	محی الدین عارف	محمد عاقل خان
محمد احمد خاں	سید ندیم شوکت	جاوید بیگ	صابرہ بیگ	سید عبدالماجد عتیقی
محبوب اختر خاں	رومی شیخ	محمد عامر	محمد اقبال احمد انصاری	سید اطہر رضا
شبانہ محمود	ناز کرمانی	وقار رضی	محمد زبیر ندیم	سید آصف مصطفےٰ نقوی
ہما	سید نعیم اختر رضوی	عامر علی خاں	خالد خورشید	کامران خلجی
دوست محمد	نازلی صادق	کامران اختر صدیقی	محمد منیب حنیف	علی مصطفیٰ زیدی

محمد ہارون سمیع اللہ
سلیم انور عباسی
شہلا سراج
محمد ارشد انصاری
توحید رضا زیدی
سمیع اللہ خاں
سعدیہ بانو
ہما اطہر
سعدیہ حبیب
محمد فیصل لطیف
حنا ناز
نیر افروز
محمد طارق اختر
عبدالرزاق گناترا
سید نسیم الحق
محمد یوسف بیگ
جنید احمد صدیقی
ضیاء الدین منہاس
نوید مزمل اللہ خان
ملک شہباز احمد
ملک زاہد حسین
شرافت قمر خان
ضیاء الرحمٰن خان
ریحان عالم
کاشف خلجی
حمیرا فلک ناز مریم
طارق محمود خاں
خواجہ محمد اطہر شمیم
سعد اختر
اُم حبیبہ محمد جعفر

محمد طاہر محمد جعفر
تنویر احمد
محمد انوار کمال
ثمینہ یاسمین
صفدر اقبال
سکندر حیات خان
عاصمہ حفیظ علوی
غوثیہ صبا
نوشابہ خاتون
عارف منصور
سید محمد طارق
عابد رحمان
عمارہ احمد
فیصل مصطفےٰ صدیقی
محمد عثمان غنی
محی الدین
عذرا حاجی سلامت حسین
سید انذر حسین
سید سلیم رضا شفیق حسین
ذیشان مجید خاں
متین حمزہ
سید احمد سعید
طارق عباس
عائشہ سعید
محمد اطہر
حمیرہ گوہر
شہیلا زرین
حمیرا ندا
خالد علی
شیر بہادر افغانی شیر زادہ

سیدہ حنا حسنی
صالحہ قدسیہ
محمد صدیق کاوش

سانگھڑ

سید اظہار علی
محمد عبدالصمد قریشی
ریاض الدین منصوری
صغیر احمد راجپوت
عاجز عبدالرحمٰن رند
رشید احمد قریشی
غلام رسول پارس
عدنان عادل
فرید احمد قریشی
مبارک علی
علاء الدین منصوری
محمد امین سیف الملوک
آصف اقبال
ریحان منظور

حیدر آباد

قرۃ العین حبیب
گل مونا
عبدالواحد صدیقی
عبدالوحید عبدالستار شیخ
گلنار جی میمن
فرحت حسین
فرزانہ اختر
حنا ایوب
مسیب اختر خاں
سید عشرت حسین
علی نوین خالد

شہزاد عالم قادری
ثمینہ کریم
شیخ سلمان صدیقی
حنا نواب علی
سہیل اختر
آفتاب عالم قریشی
محمد سلمان شیخ اے صمد
محمد کاشف یعقوب
ناہید ناز
ریحانہ مجید
سیدہ فرح ناز فاطمہ زیدی
علی عمران
عابد حسین بھٹی
رضوانہ خان بھٹی
عثمان مجید
سید معین الدین
طاہرہ یاسمین
شاہدہ
عبدالحامد صدیقی
عائشہ حسین شیخ
عبدالاحد عباسی
محمد شعیب انصاری

سکھر

آصف محمود اعوان
اقبال احمد شاہانی
محمد رضوان اسحٰق آرائیں
رشید احمد
زاہد سعید آسی
محمد فرحان آرائیں
ندیم اختر

افتخار احمد چودھری
محمد عرفان
عبدالعزیز میمن

راول پنڈی

شاہ عالم زمرد
راجا مظہر اقبال
رضوان سعید
عامر محمود شیخ
سید مدثر عباس کاظمی
فائزہ تبسم
ناہید غوث
فرزانہ غوث
نوید اجمال
فرزانہ ظفر
خورشید الصمد ملک
زاہد حسین
منذر ہارون احمد
شکیلہ نسرین

جہلم

محمد انعام اللہ فرہاد
محمد نصر اللہ
ساجدہ کوثر نجمی
عبدالشکور احمد غزل راولپن
عبدالغفور احمد غزل
طاہرہ کوثر

ملتان

غضنفر عباس
عاصم نذیر چیمہ
رانا نوشاد احمد
مسعود احمد صدیقی

عاطف نذیر چیمہ — بلال رسول علوی — رضوانہ احمد، نواب شاہ
ایم یونس رضا، پنڈدادنخان ٹی — سعدیہ صغیر، پشاور یونی ورسٹی
امیر نذیر — نعمان راشد — محمد عاطف شیخ، نواب شاہ
رخسانہ غفور، ٹنڈوجام — عبدالرشید شاہین، لیاقت پور
مرزا محمد احسن بیگ — سید سجاد حسین زیدی، خیرپور میرس — سید عقیل حیدر زیدی، خیرپور میرس — مرزا محمد تمثیل بیگ، گوجرانوالہ — محمد منیر قریشی، روہڑی
عبدالرزاق — یاسمین اشرف، ٹنڈوجام — سید جمیل حیدر زیدی، " — شکیل احمد، جمرود خیبر ایجنسی — جاوید اقبال، بہاول پور

فیصل آباد

نادر شاہین، سیال کوٹ — ندیم احمد خاں غوری، روہڑی — محمد اسلم حبیب، جھنگ — اظہر حسین، روہڑی
غلام مصطفےٰ چوہان — سید مسعود حسن زیدی، میرواہ — محمد یامین مغل، سجھورو — دُرشہوار شاہین، سیال کوٹ — محمد رفیق شیخ، شہداد پور
راشد قمر — صفیہ صباحت، کوئٹہ — راجا تحسین یونس، ہری پور — محمد ساجد، ملک وال — ناوید اشرف، ٹنڈوجام
طاہر محمود بٹ — محمد زبیر احمد، قصور — سید ساجد مہدی، خیرپور — مسعود احمد — صابر حسین شکیل، ٹوبہ ٹیک سنگھ
محمود الحسن — اشتیاق احمد مغل، سکھر — ندیم اشرف، ٹنڈوجام — راحیلہ اقبال نیازی — محمود جمیل "
ملک شائستہ جبین — عبدالرزاق، محراب پور — نبیل شاہین، سیال کوٹ — اُم کلثوم، ڈگری — اورنگ زیب منصور شیخ، کوٹڑی
ملک مسعود الحسن — محمد ظفر اللہ ضیا، کمالیہ — انیش کمار، روہڑی — الیاس مسیح، مظفرگڑھ — عنبرین شاہین، سیال کوٹ
ملک شکیل محمود — محمد نوید اقبال، گوجرانوالہ — مظفر علی قریشی " — حمیرا رانی، سرگودھا — محمد نعیم، نواب شاہ

لاہور

سید محمد عامر خورشید رضوی — اشہد شاہین، سیال کوٹ — سیف الرحمٰن خالد، وہاڑی — سعدیہ بانو بلوچ، میرپور
محمد ریحان خاں آفریدی — سید زین العابدین عابدی — عبدالرحیم زرتاش، مریدکے — سید احمد حسن زیدی، خیرپور — سید علی رضا زیدی، خیرپور
زبیدہ جبیں — رضیہ خانم، گوجرانوالہ — سید طٰہٰ احسن، بہاول پور — عمران درانی، جام شورو — محمد سلیم خیرالدین، اسلام آباد
ثمینہ نثار — نصرت وحید، گوجرانوالہ — طاہر گلزار، کوئٹہ — سید امین حیدر، گڑھی میرواہ — منصور اسلم جنجوعہ، اسلام آباد
آصف محمود احمد — محمد اسحاق انجم، ڈگری — پرنس محمد عمران شاہین، مظفرگڑھ — سید محمد انصار شاہ، لودھراں — شازیہ عباس، اسلام آباد

جن نونہالوں نے ۱۶ تا ۲۴ صحیح جوابات بھیجے ہیں اُن کی معلومات بھی قابلِ قدر ہے۔ ذرا سی اور محنت کرتے تو صحیح جوابات کی تعداد اور بڑھا سکتے تھے، خیر آئندہ سہی۔ ہم اُن کو بھی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ ان کے صرف نام شائع کیے جا رہے ہیں، کیوں کہ ناموں نے بھی بہت جگہ گھیر لی ہے اور ہمیں ان کی وجہ سے بھی ایک کاپی بڑھانی پڑی ہے۔

۱۶ تا ۲۴ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہال

کراچی	غلام حسین	فیصل	کہکشاں ترنم	سہیل انجم
عقیل احمد خاں	طوبیٰ خاں	شبانہ اختر	محمد نوشاد کمال	رضوانہ ستار
امینہ	شازیہ قادری	محمود علی فاروقی	کاشف ریحان	محمد عرفان احمد
شمائلہ ظہیر	فرزانہ غوری	سلیم الدین قریشی	عائشہ اختر	اکمل حسین یزدانی
اورنگ زیب علی پاشا	محمد عبدالوہاب	رخسانہ ناز	لبنیٰ اعجاز	ثروت
سید عمران عبدالباری	شجاع الدین احمد خاں	احمد مصطفےٰ حسین خاں	محمد حارث الیاس	اسامہ رشید
عبدالغفار ابراہیم	محمد حسان سامی	ارجمند بانو	بشیر احمد ہاشمی	محمد طارق آفتاب
محمد انیس حاجی امان	افتخار احمد	ارم خلیل	محمد ندیم	بشیر احمد

شادماں نفیس
ثمرو نعیم
رخسانہ مطلوب
محمد اکبر بلوچ
محمد نجم الابصار
محمد اعظم بلوچ
محمد جسیم احمد
عبدالقادر شاہ
عفت زہرہ منکانی
احسن الطاف غوری
اسد اللہ
کامران ریاض
سید مسرور حسن شاہ
محمد نصیر
سائرہ مسعود خان
عاصم رحمان خان
جنید نور صدیقی
شگفتہ ملک
سید نسیم الدین
انس احمد
محمد فرحان خان
تنویر علی چاند
ماسٹر اشحر نور
ماسٹر جبران نور
زاہد رفیق
محمد اسد امجد
محمد ہمایوں ذکی
سید احمد آصف
وقار انساء اقبال
احمد افضال

دلشاد حسین چاند
رفعت ملک
سید اظہار مصطفیٰ
میمونہ بزمی
منصور جمیل
راجا شہزاد علی
محمد سلیم احمد خان
زہرا اعظم
عارف محمود
عظمیٰ سلمان
شعیب احمد صدیقی
تسنیم زہرا
امیر ہاشم
صغیر احمد
محمد احمد فاروقی
آلِ رضا
ہما اشتیاق
خالد رؤف
خلیل احمد کریم
اصغر علی ہاشمی
جاوید حنیف
افشاں
سید وسیم الحسن
شمیم عبداللہ
محمد فراز منور
ناظم ادم
چنگیز اقبال
بشریٰ رحمٰن
محمد عثمان
فیصل نظام

شاہد عزیز شاہد اعظم
سید نوید اقبال احمد شمسی
اسد عزیز
شجاعت علی خاں
فرح عبدالحامد
محمد مشکور خاں
عبدالحمید
محمد سلیمان
امت المجیب
عباد الاغفر
جمیلہ
محمد رضوان النظر
سید قمر رضا
محمد عارف
کاشف امین
محمد ایوب سنجرانی بلوچ
غزالہ مجید بیگ
سید وجیہہ الحسن
افراز القریشی
محمد انور حسین
افشالہ منیر
سید ناصر احمد
شفقت محمود
محمود خاں غوری
سید محمد سمیع حیدر کاظمی
منور سلطانہ صابر
طاہہ بن امیر
سید ضیاء الدین احمد
قراۃ العین
محمد ناظم مراد

مسرت مجید قریشی
مختار مرزا
عبدالصمد
آفتاب احمد خاں
ریاض احمد انصاری
حمید اوصی
امام عسجد نظیر
عامر عزیز قریشی
فرحان رفیق سبحانی
کامران احمد
سمیع سراج
راشد منصور
فاروق کمالانی
مشتاق
رئیس احمد خاں
صالحہ حسن
یاسمین جہاں
صدف افشاں
خالد محمود قریشی
اعجاز بشیر
مرزا طاہر اقبال
محمد نعیم اعوان
اعجاز الحق
سہیل احسن
تنویر احسن
محمد زاہد آصف
فرحت سعید
عبدالخالق
محمد ذکی بن شمس
محبوب الٰہی مخمور

فرحانہ رشید چوہدری
سید معز الدین
اسماء مہر
شفقت علی
فرح ناہید
صابر حسین نور محمد آگریا
عامر حسین
تبسم زہرہ رضوی
زعیم انصاری
عائشہ حسن خان
عطیہ انوار
زبیدہ خانم
محمد اقبال
شاہانہ وحید
ضیاء اللہ شیخ
محمد علی وارث
سہیل بن حسن
علی عمران رضوی
محمد احسن علی
حامد محمود صدیقی
یاسر منصور عالم
محمد ایوب
سید شاہد رضا عابدی
احتشام الحق
ثمینہ جبیں
شاہینہ جبیں
آنسہ نرگس بانو
محمد سمیع الدین خاں
محمد شاہد اختر
ذوالفقار علی

ہمدرد نونہال، نومبر ۱۹۸۴ء

محمد زاہد یوسف	سیف الدین کامران	عطاء اللہ خان نیازی	محمد عثمان غنی انصاری	فوزیہ بشیر
طارق یار خان	شہلا اقبال	کاشف حفیظ صدیقی	احمد شمائل	محمد مصعب مجاہد
اعجاز بشیر	منور علی قریشی	شبنم عقیل	دل عزیز صدیقی	شعیب عباس
محمد عمیر الظفر	فوزیہ ارم	نجمہ حفیظ	شاہ عمران احمد	ارم مہتاب
منظر حسن نقوی	شاہد علی خان	سید عقیل آغا	نازنین صدیقی	احمر مہتاب
نازش ہاشمی	رضوانہ اکرام	محمد عدنان	محمد طارق الاسلام قریشی	راحیلہ شمس
آمنہ عظمت	سید ضیاء الدین احمد	عبدالحنیف	اجمل عزیز	محمد شعیب
کوثر رضوی	شاد محمد خان	کامران محبوب	سید عامر طاہر	احمد ندیم قادری
حنا ایوب	فیصل سلیمان	شرجیل احمد ایاز	قلب سلیم	الطاف قیوم
شائستہ اعجاز	شازیہ باسط	عظیم سعید خان	ثمینہ عزیز	شاہین اختر
ارشاد حسین	محمد نجم الحق	ذیشان علی خان	محمد کاشف ضیا	وصی الحسن
آصف بشیر	ریحانہ ثروت فرح مظفر	سید شرف الحق حقی حیدر	سید سیف الحسن شاہ وارثی	عبدالحمید
محمد عبدالمتین	شہناز اختر	محمد سلیم احمد	شبیر حسین	فرید اشہب
محمود خان	سید محمد عارف	سلمیٰ	جمیلہ ابوبکر ترادہ	عدنان عزیز خان
عبدالرؤف بلوچ دیرمانی	محمد ساجد	ندیم محمود	نشاط پروین	ارم عنبرین
ریحانہ یاسمین	حماد انعام	سیدہ عظمیٰ احمد رضوی	کشور رضا	ایس ایم عرفان
سعدیہ رحمٰن	الماس الیاس	سید آصف علی	ہاشم نوید	شائستہ عنبرین
وثیقہ انور بٹ	علیم سعید خان	عادل عزیز	طلعت حیدر	انیلہ ہاشم
سائرہ انیس	فرزانہ یاسمین	عروسہ معینہ غازی	زاہدہ اسمٰعیل	محبوب علی
سیدہ شازیہ وارث	نازیہ حسن رضوی	ندیم الحسن برنی	محمد ضمیر	ارم رحیم
وسیم اختر	امین اشعر	محمد عارف رزاق	محمد حامد	سمیرہ نوشین
عنبرین ہاشمی	حمیرا وحید	محمد جمشید اختر	مدثر حسین	نازنین
واجدہ یاسمین	اویس زبیدی احمد	انتخاب عالم غوری	حلیمہ عبدالغنی	نزہت فاطمہ زیدی
رضوان ملک	اکبر نواز شاد	نوید عثمان سہگل	ندیم اختر	توقیر احمد
رضوان حسن	بابر خان	محمد فہیم اسحاق	سیدہ فرحانہ محسن زیدی	عبدالحفیظ بھٹی
وقار علی	صائم علی خان قادری	ایس ایم جاوید	اظہر قمر	محمد طاہر
طیب شاہ	وقار حسن	سیدہ تبسم نور	حمیدہ صمد	محمد وحید حمید
فیصل شمیم صدیقی	غزالہ فاضل	صلاح الدین اظہر	نائلہ انصاری	اسد مصطفیٰ
فریدہ ناز	شائستہ صدیقی	جنید حبیب	کیسا لال	نوید نشاط احمد
خانزادہ صبحان احمد خان	ریاض الدین آرائیں	سید شہزاد اعجاز	شمائلہ کلیم	نسیمہ ناز

سید منظور مصطفیٰ	راجا جمیل اختر خان	امیر سراج	حشمت جمال خان	ثمرانہ ملک
محمد اصغر کامران	سید عتیق الرحمٰن	روحی ابدالی	صبوحی خان	صفیہ سلطانہ
خلیل الرحمٰن	سعدیہ خان	ساجد محمود	عرفان مسعود	عبداللطیف
محمد اعظم خان	مشتاق حسین چاند	انتقاد احمد خاں	سید نعمان نقوی	مسعود ارشد صدیقی
ماہ رُخ	حمیرہ مسعود	حافظ محمد طارق سعید	یاسمین قریشی	عباد اللہ
عامر منصور	اسماء مظہر	راشد بن عزیز قریشی	سید کامران حسین کاظمی	عدیل شادمان قریشی
نغمہ احمد ترمذی	عنصر علی	عائشہ بانو	سید وقار اسمٰعیل	خالد مجید مغل
شیبا یعقوب	شبانہ عرفان	خاور عظیم	عامر احمد خان لودھی	عثمان غنی
سید اطہر حسین	شہزاد نواز دہلوی	ارم شہناز	نوید اختر	فرزانہ آفرین
صوفیہ مصطفیٰ	فاروق بشیر	اسماء بشیر	عاصمہ وجاہت	اکبر امان
درشینہ احمد	محمد اجمل	رضوانہ	لال دین	رخسانہ قمر
فراز اطہر	محمد آصف	شگفتہ سرور	عبدالرزاق گناترہ	اسد سہگل
محمد عامر شمسی	شگفتہ بانو	ملک محمد طارق	عظمیٰ	رابعہ رحمٰن
فاروق عالم	زاہد رفیق	افشیں خانم	افتخار نور خان	صائمہ
نادرہ مجید	ایس۔ ایم۔ قمر الحسن	عامر مقبول	سید صلاح الدین قادری	رضوانہ بتول
نبیلہ یاسمین	کیڈٹ محمد انعام الرحمٰن	ریحانہ رجب علی	محمد انور الدین	محمد ذیشان ایوب
محمد عین الرحمٰن خان آفریدی	سبیلا احمد	عبدالنبی	سعیدہ ناز	نہال احمد اعوان
نور الہدیٰ انصاری	جاوید نور صدیقی	اسماء مقیم	صبا اقبال برنی	صولت بانو
صلاح الدین احمد کامران	ثاقب محمود شیخ	محمد احمد خان	رومانہ خاتون	فریدہ سرور
محمد ریحان شجاعت قدوائی	کاشف توصیف صدیقی	مصطفیٰ اواب	ثانیہ خانم	سید رضوان مہدی
شازیہ ناز پھول محمد	نیاز احتشام فاروقی	سید منصور علی	افتخار احمد	محمد سعید حمزہ ابراہیم
سید عمار یاسر زیدی	سنبل قریشی	اختر مسعود	رفیق احمد بونیری	صدف فاضل
سعدیہ بیگ	خالد نقی	شہباز راجا	نوید شبیر حسین خان	شگفتہ فاضل
بلقیس انتظار	سیدہ رخشندہ بانو نقوی	ثمینہ اشفاق	محمد نور اللہ صدیقی	اظہر عزیز
تسنیم کوثر	عمران منور	فاروق فیصل	لبنیٰ	محمد عرفان ملک
ظفر عثمان	راحیلہ صادق	نصرت رضوی	سید عابد علی	محمد اوصاف کمال
محمد عارف اقبال انصاری	ملک ابرار افضل	محمد وسیم	مہر فاطمہ	صبا عابد
وارث جمال صدیقی	سید عارف علی	سید فیض احسن	خطیب احمد عثمانی	فرحت جہاں
صالحہ حمید	زینت النساء	فیصل شعیب	رقیہ سلطانہ	نصرت جمال
سید ندیم علی	سائرہ سعید	نازیہ رمضان	مجیب احمد عثمانی	محمد شاہد اختر ملک

آصف ضمیر صدیقی	محمد علی فیصل	منیر الدین	عبدالناصر عقیل	محمد اشفاق
پرویز سموئیل	محمد احسن ہاشمی	سید محمد راشد عزیز	سیما عثمان علی	عتیق احمد
سید ظفر فاروقی	صادقہ ناز	محمد عارف	سید راشد محمود	کامران ظفر عمران
صبوحی فاطمہ	محمد مصطفٰے احسن خان	امتیاز حسین منہاس	محمد اختر الدین صدیقی	ریحان جمیل
فوزیہ جیلانی قریشی	انعام الرحمٰن	احمد علی قریشی	سید فیصل علی	ایاز الحق فاروقی
ندیم بٹ	سید اسفر نسیم	محمد فرید قاسمی	مرزا اسد بیگ	سید ندیم اختر
سید عدیل احمد	عامر عزیز	ثروت اختر	نازیہ ممتاز	محمد عرفان مسعود
محمد جعفر نبی	جمال حیدر	نادیہ علی	شاہد علی خان	ساجد علی خان
محمد محبوب الرحمٰن	آفاق احمد	نور جہاں	محمد ایاز انصاری	اختر علی
عبدالرفیق	حشمت جمال خان	سید شبیر حسین رضوی	آصف علی رانا	فرید الرحمٰن بابر
رضیہ خورشید	صبا عشرت	محمد یونس اسحاق	ندیم اختر	سید واجد تبسم
محمد عارف خلف محمد عتیق	محمد اورنگ زیب	عائشہ عبید	نعیم شاہ خان	سید ساجد محمود
راشد صدیقی	عباد الرحمٰن	سید ساجد علی	حبیب علی شاہ	شاہد احسن
سرمد سلیم	شگفتہ پروین	بلقیس خانم	جعفر عباس عابدی	محمد حامد
احسن رضا	عمران علی خان	سراج احسن	محمد الیاس	محمد حنیف
احمر حسن خان	سلمان احمد	آصفہ عفت	سلمان احمد	قاضی محمد الیاس
عظمٰی سعید	امیر حنیف	شکیلہ اظہار	گل ولی شیر علی	سید محمد منقوش
خالد محمود	الطاف حسین	محمد افضال وارث خان	احمد بن مسعود	محمد سلمان اظفر
طاہرہ سلطانہ	سید محمد انصار حسین	کشور اقبال	ہمایوں افضل	عابد علی خان
سمیرہ مسعود	نوشاد عابد	نجمہ اختر	محمد ندیم صدیقی	وقار شمیم
محمد اطہر خان	لبنیٰ ناز صدیقی	محمود الحق فاروقی	سید محمد فہیم	جمال قادر
بلال احمد ٹیپو	محمد عقیل خان	شریف الدین انصاری	محمد مدثر خان	اختر حسین
مجیب ظفر انوار	عمران فضل احمد خان	اشعر کمال پاشا	سید وقار احمد	محمد انور
سید شہزاد ہاشمی	علی رضا خان	آصف اقبال آگریا	پیرزادہ آفتاب احمد کیرانوی	نشید اللہ خان
محمد سمیر	جاوید سعید انور	زاہدہ آگریا	ارم منظور	عظمٰی بہاؤ الدین
ناہید فاطمہ	سمیرا تنویر	محمد علی فراز	اظہار علی خان	محمد شاہد اقبال صدیقی
ثمینہ مقیم	محمد اسمٰعیل عبدالعزیز	شاہین پروین	ضیا سبحان	جہانگیر علی
لبنیٰ صمد	خالد محمود	شعیب احمد	محمد امین عینی	عاطف احمد قریشی
فرحین ناز آرائیں	محمد ظہیر اعظم	عارف وہاب	سکندر علی	سید نجم الحسن عابدی
رُختاج	ارشاد خان	محمد علیم صدیقی	وقار قمر	نوید اختر

محمد عثمان عباس
سید عمران سلیم
شاہد اختر
محمد نعیم
محمد علی الدین
ساجد ممتاز
جواد نسیم
محمد سلیم بسمل
سہیل حسن
فرخ الطاف شمس
رحمان علی بیگ
عائشہ شمس
ندیم شبیر حسین خان
حافظ ظہور عالم صدیقی
اعجاز حسین خان
شیخ محمد ادریس
ریشماں ناز
انیس الدین
محمد جمال اقبال
وسیم بٹ
آصفہ اشفاق
محمد اکرم ملک
سید جعفر رضا
سید حیدر مبین رضوی
عبد الرفیق
سید ثاقب رضا جعفری
سعید احمد
سید مبین الحسن
سرفراز گل خان
محمد اشرر رضا

طاہر ابراہیم
محبوب نثار
مرزا شاہ جہاں فیفی
رضی الدین خان
شہناز احمد ہاشمی
امتیاز احمد خان
محمد فاروق
سید سلمان علی بخاری
جنید احمد
احمد اقبال ستھی
عتیق الرحمن خان
حافظ سہیل احمد
سید معین الدین گل
محمد شاہد ناظم
نزاکت حسین قادری
شوکت حسین قادری
نصرت محمود
ناظم الحسن
محمد خالد
عمران علی خان
عابد محمود
عمران بلال
محمد عامر
ندیم یونس بھارد ے
کریم بخش بلوچ
شاہد علی خان
فہیم نبی خاں
محمد کامران یعقوب
محمد اطہر
سید عبد العزیز عزمی

مشتاق احمد غلجی
مسعود احمد خان
عبد الوحید خان
ملک فتح اللہ خان
محمد امجد بیگ
یوسف شمیم
معین الدین صدیقی
واصف الرحمن
ذیشان عامر
محمد آصف زکریا
تحسین سعید خان
معین احمد
عامر احمد انصاری
شیخ اویس احمد قدوائی
طارق حنیف خان
سید اسفر نسیم
محمد خالد شہاب
راجہ سلطان
صہیب اللہ خان
جمیل احمد خان
سید ساجد علی
رئیس احمد
عقیل اکرم

حیدر آباد

سید کامران الحسن
سید وصی حیدر رضوی
دانش منصور خان
الماس رانا
سید رضا حیدر زیدی
ریحانہ مرزا صفیر بیگ

عمران علی
کھتری محمد علی
محمد غلام حسین مبین
سیدہ عروس فاطمہ نقوی
تسنیم اختر
محمد ریاض احمد خان
محمد اسلم قریشی
نسیم بلوچ
محمد ریحان الحق
رحمہ مجید
ساجد سعید
عبد الفرید چندریگر
محمد ساجد اقبال خان آفریدی
شمس النہار
شازیہ نذیر
محمد عابد
ندیم احمد خان
فوزیہ قدیر
عمران حسین قریشی
سہیل احمد خان
سید محمد عاصم
سائرہ
نافیہ خاتون
بانو بارکزئی
محمد ابراہیم خان
کاشف علی
محمد اکبر خان
سلیم احمد خان زادہ
محمد عثمان
محمد اطہر

نوید الرحمن
فائزہ انجم ذکی
محمد زاہد حبیب قریشی
ندیم کامل
انیسہ اقتضاص قاضی
محمد اشفاق عاصم
عظمیٰ فاطمہ
نجم الحسن نیازی
مرزا تنویر احمد
نوشابہ خان
فرحانہ غوری
ہما شاداب
سید علی ابرار
محمد زاہد اقبال
حمیرا مغل
الطاف احمد خان
کنیز فاطمہ
سعدیہ بقائی
محمد اعظم خان زادہ
رب نواز خان
کھتری حامد علی
محمد جاوید عقیل
بشیر احمد عباسی
ظہور احمد رشدی
آفتاب عالم قریشی
غلام اصغر درس
عمیر نقوی
سید شاہ حسین
سعید عالم
سلطانہ سید

محمد امیر عالم خان
سہیل معین
محمد حامد اقبال
اعجاز احمد سومرو
سیدہ ہما زہرہ زیدی
محمد جنید اقبال
طارق وسیم
ندیم احمد قاضی
محمد حنیف
سید علی عمران جعفری
مسرور بخاری
حفیظ الرحمٰن خان
شفیق احمد خان زادہ
سید کبیر علی زیدی

خیرپور میرس

سید ظہور علی زیدی
غلام مہدی ملاح
ثیقہ بیگم
محمد ارسلان قریشی
مسعود میر خان
خالد محمود اعوان
مسرور سلطانہ
عبداللہ شیخ
سید ریحان حیدر نقوی
سید ریاض احمد زیدی
سید غضنفر رضا رضوی

لاڑکانہ

تسنیم فاطمہ جعفری
غزالہ منیر شیخ غزل
غلام مرتضیٰ صدیقی

فرح ناز
آصف احمد شیخ
گڑیا رانی
وصی حیدر جعفری
مختار احمد انصاری
قمر الدین
محمد شہباز عالم
محمد یامین اصغر سومرو
حفیظ الرحمٰن شیخ

نواب شاہ

محسن علی
اقبال خالدی
عرفانہ بانو
کامران احمد بھٹی
مبینہ مظہر
عابدہ واحد
شازمہ کنول میمن
نعیمہ واصف
آصف مسعود
صائمہ میمن
تحسین وصی فاروقی
لیاقت علی
نصرت جہاں
رابعہ عدیہ
غلام مرتضیٰ صدیقی
جاوید ممتاز خان زادہ
خالد محمود

ٹنڈو آدم

سراج الحق طارق
محمد اختر آدم

محمد الیاس میمن
محمد اسلم غوری
نصرت امیری
محمد یٰسین
سید ذیشان اقبال
معین الدین
رانا سبحان اشرف
عبداللہ انصاری

سانگھڑ

فوزیہ رفیق
اسعد موسیٰ بلوچ
جمیلہ رفیق
محمد ابراہیم ناشاد
محمد ایاز کلسی
سیف الرحمٰن کلسی
معین الدین قریشی

ٹنڈو محمد خان

محمد عارف قریشی
عرفان امین
یاسمین امین
عمردراز خان خٹک
قربان اللہ خان بہرام
صابیہ صدیقی
شکیل احمد
رحمٰن اللہ خان بہرام
رحمٰن اللہ خان
محمد اطہر غازی پورہ
محمد وصی الدین قریشی

میرپور خاص

جاویدہ اکبر

سیدہ مسرت فاطمہ زیدی
سید یاسر عباس
آفاق احمد خان
محمد ندیم ملک
جویریہ میمن
سید رضا علی نقوی
غفران اللہ
ملک محمد یوسف
سید اعجاز علی نقوی

روہڑی

ارشد احمد قریشی
شکیبہ غوری
یاسمین خان
ندیم احمد غوری
عظمیٰ ماجد
بشریٰ جلیل
عظمیٰ فاطمہ
شبانہ
نعیم احمد قریشی

سکھر

محمد اظہر حمید خان
وحید مصطفےٰ اجانی
عالیہ نزہت
اورنگ زیب فاروقی
محمد خالد
تطہیر حیات فاروقی
محمد زاہد علی
عرفان علی سید
تسنیم احمد ناجد
رخسانہ ناز سومرو

محمد اشرف انصاری
ساجد محمود
نند لعل پی جھامانی
محمد آصف ادریس
خالد عزیز میمن
محمد اسلم میمن
محمد اسمٰعیل
دردانہ آفریدی
شازیہ صدیقی
سید مناظر حسین زیدی
محمد سلیم بھٹی
اطہر عزیز صدیقی
محمد اقبال میمن
ارم ناز اختر حسین
شفاء الحسن انصاری
راشد خان
شازیہ مسعود
محمد یعقوب
فائق احمد ظفر
محمد اویس ظفر
نوید اختر جعفری
سید عامر عزیز

بہاول پور

ساجد سہیل
ذیشان فاروق لودھی
غزالہ تبسم اعوان
فوزیہ تبسم اعوان
ایاز احمد بلوچ
محمد رمضان طاہر

لاہور

عباد علی
محسن علی خان
محمد پرویز
ہارون احمد
رؤف عتیق
محمد طارق وحید
محمد واصف ممتاز
عالیہ بہا وسیم
شیخ اسد فاروق
نور مصطفےٰ امتی
فیصل فرید
عابد وزیر خان
اورنگ زیب مسعود
ہارون رشید لودھی
محمد اسلام رضا
محمد سلیم
عمر فاروقی
ظہیر حسن

ملتان

خرم خالد خان
ظفر علی قریشی
عارفہ نواز
عرفان احمد
محمد نعیم شکور
محمد حبیب القادر یزدانی
ذاکر حسین
فیض الحق
پرنس غلام مرتضیٰ غوری
ایس۔ ایم قمر جاوید

سید اظہر جاوید جعفری
محمد افضل احمد
ملک سرفراز احمد
شیخ طاہر محمود
محمد محسن انصاری
حمیرا اسلام قریشی
راشدہ نورین ناصر
عبدالوحید گجر
سید وسیم احمد شاکر
نعیم فخر
حافظ مشتاق احمد
لطیف احمد ظفر
سید ظفر علی جعفری
فرح عمر چودھری
سہیل عمر چودھری

فیصل آباد

نصرت احمد
صوبیہ شبیر
جواد قادر قریشی
شیخ طارق ضیا
غلام حسین
شہر یار قادر
شاہد احمد
شہزاد جاوید
محمد ارشد رشید
شاہد انور شہزاد
عرفان الحق سبحانی
شہزاد سعید
علی عمران خان

راول پنڈی

آر۔ ایچ۔ شہزاد
محمد آصف خان
روبینہ شیریں
ضیاء القمر
معظم علی
عاطف منیر
قاضی خاور نعیم
حسن اختر
غلام مصطفےٰ
نگہت رسول
تنویر اشرف علی
ناصر بلال
چودھری محمد عاطف عقیل

اسلام آباد

عبدالمنعم خان
مدثر رضوی
احمد بلال
صدف انجم
ذوالفقار علی
حامد حسین
عمران علوی
سید محمد عارف
ثمر یوسف
فائزہ فاروقی
شعیب الرحمٰن
نیلوفر جہانگیر
حمیرا ارم
عامر احسان
اظہر احسان
سید علی اسد
محمد منصور حیات بیگ

نواب شاہ

نثار احمد قائم خانی
عبدالمجید ندیم
ظہور احمد شیخ
گوری اوڈ

محمد علی شاہین، سکھر
سہیل عامر، اوکاڑہ
فاروق احمد صدیقی، مظفر گڑھ
سید صابر علی شاہ، ڈیرہ اسماعیل خان
دلشاد ادیب، گجرات
پرتیم کمار شیروانی، سکھر
رانا صفوت سجاد احمد حسین تبسم، بہاول نگر
سید محمود علی نقوی، میر پور خاص علی اظہر ناز ملک، پنجاب
غلام رسول بھٹی، کنری پاک ریاض احمد شیخ قریشی، شکار پور
ظہور شاہ چمن، مکران آفتاب احمد دالو، جیکب آباد
سرفراز خان، پسنی مکران مجید احمد ساجد، واہ دھنوٹ
خدا بخش ناز، پسنی مکران دلشاد احمد، میاں چنوں
اعجاز احمد منگی، لاڑکانہ محمد رمضان صابر، خوشاب
محمد اقبال شاکر، لودھراں محمد ہارون ہمدرد، سوات
خالد محمود شاہد، رحیم یار خاں عرفان الحق بھلی، سیال کوٹ
اسماء حسن، واہ کینٹ سید حیدر علی نقوی، حیدر آباد
سید محمد موسیٰ علی نقوی، جھنگ سعید احمد عابد، ملتان
ناظم علی پنی، ٹھری میروا محمد ندیم آصف، ٹوبہ ٹیک سنگھ
آفتاب احمد، جہلم امجد علی سلہری، سیال کوٹ
صبا احسان، شیخوپورہ اقبال احمد صغیر، ملتان
شیخ افتخار الحسن عرفان، گجرات رحیم بخش، ہری پور ہزارہ
شوکت علی قریشی، جیکب آباد مہر رب نواز ملک، سرگودھا
طارق حنیف، رحیم یار خان خالد فہیم سبزواری، سعودی عربیہ
مومن خان خٹک، میانوالی عطیہ نواز، پنجاب
خرم توفیق عامر، گجرات چودھری محمد فرزند، موسیٰ خیل
سید رضوان احمد، " قیصر اقبال، میانوالی
سید ساجد مہدی، خیرپور رانا امجد حسین امجد، بہاول نگر
سید مسعود الحسن زیدی، " عبدالقیوم عماد، خانیوال
غلام ربانی قریشی، جیکب آباد عبدالصمد صادم، "
خالد عباس، پشاور صدر ناصر جبار خان غوری، اٹک

محمد اقبال شاد، بہاول نگر — اشفاق غلام علی، تھرپارکر — محمد اشفاق، راول پنڈی — عبدالستار مغل، محراب پور — رمضان محمد، کھلابٹ
محمد صدیق عاصم، میانوالی — نازنین فاروقی، شکارپور — اطہر اعظم، جیکب آباد — راشد عزیز وارثی، جہلم — وحید احمد، ہری پور ہزارہ
خالد عزیز ظفر، " — انجم مشیر الدین خان، " — محمد عرباض خان، مظفر گڑھ — محمد انیس، مانسہرہ — عبدالرؤف ایکسٹو، ملتان
ایم طارق ندیم، " — جاوید اقبال زیدی " — انور علی " — بشارت علی قمر، میلسی — طاہر لطیف خانزادہ، ٹنڈو الہ یار
عصمت عثمانی، شکارپور — تمکین شازیہ، کوئٹہ — تابندہ شفیع، پشاور — محمد طارق، کوٹڑی — مرزا قیصر انور، بہاول نگر
محمد زاہد قریشی، شہداد پور — سعید احمد، وہاڑی — ذکاء اللہ بھٹی، پنجاب — محمد طارق جدون، حویلیاں ہزارہ — عرفان احمد خان، راول پنڈی
محمد شبیر تبسم، قصور — ریحان عزیز خان، واہ کینٹ — مسعود انور، اٹک — جاوید اقبال، گوجر خان — اشتیاق علی، مردان
محبوب عالم شاہین عرف لالہ، ہارون آباد — ظفر حسین تسنیم، سرگودھا — طارق وہاب خان خانزادہ، نصر پور — شاہد احمد خاصخیلی، سجاول — محمد صدیق صابری، ضلع جہلم
شفیق ناز، پشاور — عابد شریف، اٹک — سرور احمد، سانگھڑ — بدر احمد خان، بہاول نگر — ملک محمد شفیق، تھرپارکر
محمد اصغر خان، خانیوال — سید عامر علی ترمذی، مکلی، ٹھٹھہ — اشفاق احمد مغل، خیرپور — عابد رشید زاہد، گجرات — فضل ربی راہی، مینگورہ، سوات
محمد صابر، ایبٹ آباد — محمد سہیل خان، میانوالی — سید احمد حسن زیدی، " — امتیاز علی، تلہ گنگ — ارشاد حسین صبا، گلگت
جمیلہ رانی، شہداد پور — طاہرہ سلطانہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ — محمد اسلم میمن، سجاول — قمر بشیر احمد شیخ، بہاول نگر — متین احمد، بہاول نگر
محمد اعظم، بہاول نگر — محمد حارث ہاشم، حجام شورو — نعمان احمد قریشی، خیرپور — محمد ایوب، " قائم خانی — ظہور الامین، پشاور
محمد امین، ایبٹ آباد — فیاض احمد باجوہ، سیال کوٹ — سید انیس حیدر زیدی، " — پرکاش کمار، شہداد کوٹ — ملک محمد اشرف راہی، تھرپارکر
احمد جبار، شیخوپورہ — قاضی اعجاز احمد، بالاکوٹ — اختر جاوید اعوان، ہری پور ہزارہ — محمد اجمل خان، رحیم یار خان — ایچ ذوالفقار آزاد راجپوت،
صوفیہ عفت، اٹک — مظہر رشید انصاری، جھنگ — فوزیہ عنبرین، واہ کینٹ — مسعود اقبال، ٹنڈو الہ یار — محمد شفیق ملک، پنجاب
آصف صدیقی، کشمور — برکت علی مہر، تھل — جہانگیر معروف، شاہ پور چاکر — سرفراز احمد خان، گوجرانوالہ — وسیم فیصل، جیکب آباد
مریم صدیقی، " — حسن صفدر، واہ کینٹ — روبینہ کاوہاب، مورو — عبدالوحید عاصم، لیاقت پور — سید رضوان احمد، گجرات

جن نونہالوں کے صحیح جوابات ۱۶ سے بھی کم ہیں اور اُن کے نام شائع نہیں کیے جا رہے ہیں، اُن کو مایوس اور بددل نہیں ہونا چاہیے۔ اگر جگہ ہوتی تو ہم اُن کے نام بھی شائع کرتے، کیوں کہ اُن کی کوشش بھی قدر کرنے کے قابل ہے اور اُن کا شوق باقی رہا تو اُن کی معلومات بڑھتی رہے گی اور وہ بھی انعام حاصل کر سکیں گے۔

بچّوں کی کتابیں

یہ کتابیں ختم ہو گئی تھیں۔ اب اِن کے نئے ایڈیشن شائع کیے جا رہے ہیں۔ جلد ہی یہ کتابیں آپ خرید سکیں گے۔

جاگو جگاؤ — از حکیم محمد سعید　　**جوہر قابل** — از مسعود احمد برکاتی

البیرونی کہانی اور کارنامے — از خاطر غزنوی

ہمدرد فاؤنڈیشن پریس

ہمدرد سنٹر، ناظم آباد ۳۰، کراچی ۱۸

بزمِ نونہال

✖ خاص نمبر بہت پسند آیا۔ خاص طور پر "مسکراتی تحریریں" اور "جوتوں کا تماشا" بہت دل چسپ ہیں۔ حکیم محمد سعید صاحب کا انٹرویو بھی بہت شان دار ہے۔ فرح خورشید کا انٹرویو بھی بہت متاثر کن ہے کہ اتنی چھوٹی سی بچی اور کتنے بڑے کام۔ راشدہ نورین ناصر، ملتان

✖ خاص نمبر کیا تھا قارون کا خزانہ تھا۔ سرورق لاجواب تھا۔ پہلا صفحہ پلٹتے ہی حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ ستاروں کی طرح جگمگاتا ہوا نظر آیا۔ اس کے علاوہ مسعود احمد برکاتی صاحب کی لکھی ہوئی تحریر ایک محسن کے نام، چھوٹی لڑکی بڑی کام یابی، ناگرا آبشار، ایک انوکھا انٹرویو اور دو مٹکے بھر فارسی بہت ہی پسند آئیں۔

نور صمد خان، کراچی

✖ ہماری دعا ہے کہ یوں ہی آپ غریبوں کی مدد کرتے رہیں۔ یوں ہی ہماری پیاری کتاب نونہال چھپواتے رہیں

بخت زادہ، کراچی

✖ خاص نمبر ہاتھ میں آیا تو میں نے خوشی سے چوم لیا۔ بہت ہی بہترین تھا۔ سرورق بہت اچھا تھا۔ حکیم محمد سعید صاحب کا جاگو جگاؤ اگرچہ مختصر تھا، لیکن نصیحت آموز تھا۔ پہلی بات، ہمارے ہادی کا آخری حج، مسکراتی تحریریں، ایک محسن کے نام تحریریں بہت پسند آئیں۔ نظموں میں بیتھر، گڑیا کی شادی اور اپنا پیشہ بہت پسند آئیں۔

شائستہ نازش قادری، کراچی

✖ خاص نمبر کی تحریروں میں مسکراتی تحریریں، چالاک خرگوش اور کام کی لذت بہترین تحریریں تھیں۔ حکیم صاحب کی شرارتیں اور انٹرویو بہت پسند آیا۔ علیا عثمانی، کراچی

✖ تقریباً ۵ سال سے ہمدرد نونہال کو باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں یہ بچوں کا رسالہ واقعی بہت دل چسپ، معیاری، معلوماتی اور ملک کا سب سے اول رسالہ ہے۔ ہاشم نوید، کراچی

✖ نظمیں گڑیا کی شادی، بیتھر، جب تم جوان ہو بہت اچھی لگیں۔

مسکراتی تحریریں تو بہت ہی اچھی تھیں۔ اس کے علاوہ خوش رہنا سیکھو نے مجھے بہت متاثر کیا۔ مظفر علی قریشی، لودھڑی

✖ کیا سال میں دو مرتبہ خاص نمبر نہیں ہو سکتا؟

محمد شبیر تبسم عباسی، پارک بتوکی

✖ انکل حکیم محمد سعید صاحب کی شرارتیں بہت اچھی تھیں، لیکن مختصر تھیں۔ انٹرویو بہت لاجواب تھا۔ جب یہ پڑھا کہ ہمدرد نونہال پہلے دو آنے کا ملتا تھا تو بہت حیرت ہوئی۔ ناگرا آبشار کی سیر بہت پُر لطف تھی۔ انکل حکیم محمد سعید نے اس طرح بیان کیا ہے کہ ایسا لگ رہا تھا جیسے ہم بھی سیر کر رہے ہیں۔

سعدیہ ارم، کراچی

✖ خاص نمبر ایک لاجواب اصلاحی رسالہ ہے۔

ناہید نعیم، سکھر

✖ خاص نمبر بہت عمدہ تھا۔ جاگو جگاؤ حسب معمول بہت اچھا لیکن مختصر تھا۔ کاشف متین انصاری کی کہانی "ماں" بہت سبق آموز اور حقیقت پر مبنی تھی۔ سید محمد موسیٰ علی، جھنگ صدر

✖ اولمپک ۸۴ء اچھا تھا۔ تلا دیس کا آدم خور، گھوڑے کہاں گئے، ملا نصر الدین کا انصاف، بن کے شرلاک ہومز کا استاد، باتوں کا پٹارہ بہت اچھی اور سبق آموز تھیں۔ "چھوٹی لڑکی بڑی کام یابی" نے بہت متاثر کیا۔ "ایک انوکھا انٹرویو" میں بہت مزہ آیا۔

محمد آصف صدیق، کراچی

✖ نونہال کا خاص نمبر پڑھا تو پڑھتے ہی رہ گئے۔ کرشن چندر کی کہانی بہت خوب صورت ہے جو ہم سب کو بہت پسند ہے۔ خاص نمبر میں طویل کہانی کی شدت سے ضرورت محسوس ہوئی۔

عمر دراز خان خٹک، لال جمال خان خٹک، محمد شفیع خان خٹک، ٹنڈو محمد خان

✖ نونہال بہت شان دار تھا۔ ستمبر کا نونہال مجھے بے حد پسند آیا۔ عظمیٰ فاطمہ کفایت اللہ، روہڑی

✕ پورا نونہال بڑا مزے دار ہے۔ لطیفے نئے اور چٹ پٹے تھے۔ چالاک خرگوش کے کارنامے دل چسپ تھے۔ ناگرا آبشار کی سیر میں کافی تفریح رہی۔ اس کے علاوہ حکیم محمد سعید صاحب کی شرارتیں خاصی دل چسپ تھیں۔ امام غزالی پر مسعود احمد برکاتی صاحب کی تحریر خاصی پُر اثر تھی۔ مجموعی طور پر نونہال ایک بہترین رسالہ ہے جو ہم بچوں کو تفریح کے علاوہ معلومات بھی فراہم کرتا ہے۔ نونہال ہمارے گھر اس وقت سے آرہا ہے جب ہم پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ ہم سے پہلے ہمارے بڑے بھائی بہن بھی اس رسالے سے مستفید ہو رہے ہیں۔

سید عتیق الرحمٰن، نصرت حبیب، ثروت حبیب، کراچی

✕ میں نونہال سات سال سے ہر مہینے بڑے شوق سے پڑھتی ہوں یعنی جب میں دوسری جماعت میں پڑھتی تھی تو میں نے نونہال پڑھنا شروع کیا تھا اور اب میں ماشاء اللہ جماعت ہشتم کی طالبہ ہوں۔ مجھے اپنے بھتیجے کی تصویر ماہ نامہ نونہال میں شائع کروانی ہے آپ مجھے نونہال کے ذریعہ سے یہ بتائیں کہ تصویر سرورق پر شائع ہوگی یا صحت مند نونہال میں (سرورق پر شائع ہو تو زیادہ بہتر ہے) یہ بھی بتائیں کہ تصویر رنگین ہو یا سادہ؟

افشالہ عندلیب، پشاور

> اپنے بھتیجے کی ایک سادہ تصویر بھجوا دیجیے، صحت مند نونہال میں چھپ جائے گی۔

✕ خاص نمبر پڑھ کر مزہ آگیا۔ محمد عدنان نعیم، سکھر

✕ خاص شمارہ معلومات کا ذخیرہ تھا۔ خاص طور پر جاگو جگاؤ جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنے اندر معنی کے لحاظ سے بہت وسعت اور کشش رکھتا تھا بے حد پسند آیا۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈراما "یہ نہیں ہوگا"، حکیم محمد سعید صاحب کی شرارتیں، امام غزالی، ناگرا آبشار، چالاک خرگوش کے کارنامے، ایک انوکھا انٹرویو، ملا نصر الدین کا انصاف، دو ملکے بھر فارسی، کام کی لذت اور معلوماتی مضامین بہت شاندار تھے۔ مہربانی فرما کر لفظ "سدا" اور "صدا" میں فرق بتا کر ممنون فرمائیے۔

عبدالحمید اعوان، کراچی

> سدا کے معنی ہمیشہ ہیں اور صدا کے معنی آواز۔

✕ خاص نمبر کا سرورق مایوس کن تھا۔ باقی تمام تحریریں بہت خوب صورت تھیں۔ ہمدرد انسائکلوپیڈیا کے سرورق کو آپ نے بغیر کسی وجہ کے بند کر دیا ہے۔ آپ اسے پورے صفحے پر شائع نہیں کر سکتے تو کم از کم آدھا صفحہ اس کے لیے ضرور دیں۔ بجائے اس کے کہ چوتھائی صفحے پر چند مستقل تصویریں شائع کرنے کے آدھے صفحے پر سوال و جواب سے متعلق کوئی فائدہ مند تصویر شائع کر دیا کریں۔

محمد اسماعیل عبدالعزیز، شکیل احمد خان، عبدالرحمان، محبوب الٰہی، مظفر، غلام حسین خان، کراچی

✕ آج یہ حال ہے کہ ہمارے ہر رشتے دار اور پڑوسی گھروں میں بچوں کے پاس ہمدرد نونہال کا خاص نمبر ہے اور ہر کوئی خاص نمبر تھوڑا سا گراں ہونے کے باوجود جوق در جوق خرید رہا ہے۔ ہاکر حضرات نونہال کے اسٹاک لا لا کر تھک چکے ہیں مگر، ہر پاکستانی بچے کے دلوں میں نونہال نے ایمان اور علم کی جو شمع روشن کی ہے اسے قیامت تک کوئی نہیں بجھا سکے گا۔ کیوں کہ ہمدرد نونہال ہمارا رہبر ہے۔ جناب حکیم محمد سعید کا مضمون "ناگرا آبشار کی سیر" کی خوب صورت، رنگین، حسین تصویریں، مزے دار کہانیاں، اسلامی مضامین، سائنسی مضامین، جناب میرزا ادیب کا ڈراما، شگفتہ نظمیں، اقوال حکیم محمد سعید، حکیم صاحب کی شرارتیں، جناب مسعود احمد برکاتی کے پانچ دل چسپ مضمون اور انعامی مقابلے۔ غرض کیا بتاؤں۔ ہر چیز خوب تھی۔

مجیب ظفر، کراچی

✕ اس میں سب چیزیں اچھی تھیں جو ایک اچھے رسالے میں ہونی چاہییں۔ سب سے پہلے جاگو جگاؤ نے اپنی روشنی پھیلائی۔ مسعود احمد برکاتی صاحب کا مضمون ایک محسن کے نام بہت خوب تھا اور جو چیز سب سے زیادہ پسند آئی وہ جناب حکیم محمد سعید کی ناگرا آبشار کی سیر۔ تصویریں بھی بہت اچھی تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید سے بچوں نے جو انٹرویو لیا وہ بھی بہت اچھا تھا۔ اولمپک کھیل کے بارے میں پڑھا معلومات بڑھی۔ کرشن چندر کی کہانی چالاک خرگوش بھی اچھی جا رہی ہے۔

طاہرہ سلطانہ، کراچی

✕ یوں تو ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ اپنی جگہ الگ خصوصیت کا حامل ہوتا ہے، لیکن پیارا پیارا خاص نمبر ایک حسین ترین دنیا ثابت ہوا، جس کا ہر ہر گوشہ ایک مختلف خصوصیت اور انفرادیت

دکھتا ہے۔ اس حسین ترین دنیا کا "دل" ہمدرد نونہال کے خالق جناب حکیم محمد سعید صاحب کا "جاگو جگاؤ" ہے، جس کو پڑھنے سے ہمارے پاک وطن کے نونہالوں کے ننھے ننھے دلوں کی تعمیر ہوتی ہے۔ ہمدرد نونہال کو مسلسل باقاعدہ سجانے والے جناب مسعود احمد برکاتی صاحب "پہلی بات" ایک ایسا سنہری خطہ ثابت ہوا جہاں علم کے پیاسوں کو راہِ علم سے روشناس کرا کے ایک ایسی دنیا کی سیر کرائی جاتی ہے جہاں علم ہے، ادب ہے، سائنس ہے، کھیل ہے، اخلاق ہے اور ایسی ہی کتنی دنیا آباد ہیں جن کی سیر ہر نونہالِ وطن کو ایک ایسی معراج پر پہنچا دیتی ہے جہاں صرف اور صرف انسانیت کی تعمیر کا نتیجہ ہے۔ عبدالوحید عبدالستار شیخ، حیدر آباد

☆ خاص نمبر بہت پیارا تھا لطیفے پسند آئے مگر کارٹون بہت پرانے تھے۔ دو ٹکے بھر فارسی کہانی اچھی تھی۔

رضی الدین خان، کراچی

☆ سب سے زیادہ مسکراتی تحریریں اور چالاک خرگوش پسند آئیں۔ سرورق بھی اچھا تھا۔ شہباز احمد ہاشمی، کراچی

☆ کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی تلادیس کا آدم خور تھی اور مضامین میں سمندر کے عجائبات پڑھ کر بہت خوشی ہوئی اور ہماری معلومات میں اضافہ بھی ہوا۔ اعجاز بشیر، کراچی

☆ سرورق بہت دل کش اور پیارا تھا۔ تمام تحریریں لاجواب تھیں۔ جناب حکیم محمد سعید صاحب کے بچپن کی شرارتیں پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ فضل ربی راہی، منگورہ سوات

☆ خاص نمبر میں جو علمی اور اصلاحی مضامین شائع کیے گئے تھے نونہالانِ وطن اگر اُن پر عمل پیرا ہوں تو کچھ بعید نہیں کہ وہ مستقبل کے بہترین معمار ثابت ہوں۔ محمد جاوید امین، ڈگری

☆ نانگرا آبشار کی سیر نے تو بہت معلومات فراہم کیں۔ جناب حکیم محمد سعید کی شرارتیں پڑھ کر بھی بہت مزہ آیا۔ مسکراتی تحریریں اور ہماری تاریخ کے خوب صورت لمحے بہت اچھے تھے۔

رُختاج، کراچی

☆ جاگو جگاؤ بہت ہی خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں جوتوں کا تماشا، یہ نہیں ہوگا، گھنگرو والے بڑے میاں، تلادیس کا آدم خور، بصرہ کا سنار، گھوڑے کہاں گئے، باتوں کا پٹارہ، بہت ہی خوب صورت کہانیاں تھیں۔ نانگرا آبشار کی سیر بہت اچھی تھی پڑھ کر مزہ آگیا۔ اقوالِ حکیم بہت ہی اچھے تھے۔ ایک انوکھا انٹرویو واقعی انوکھا اور مزے دار تھا۔ ٹینس کی بہترین کھلاڑی فرح سے ملاقات بہت اچھی تھی۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ نے ہم لڑکیوں کے لیے بھی کوئی کام کی چیز بتائی۔ تسنیم فاطمہ جعفری، لاڑکانہ

☆ نظم "تم جب جوان ہو" بہت ہی اچھی اور نصیحت سے بھرپور تھی۔ اس بار ڈراما، کہانیاں، تحفے، نانگرا آبشار کی سیر، سمندر اور اس کے عجائبات غرض کے تمام ہی سلسلے اپنی مثال آپ تھے۔ نانگرا آبشار کی سیر پڑھ کر تو ہمیں بھی اس آبشار کی سیر کرنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے۔ حکیم محمد سعید صاحب کا دل چسپ انٹرویو جو بچوں نے لیا بہت خوب تھا۔ اولمپک گیمز کے بارے میں مضمون نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا۔ زہرا محمد یونس، امینہ محمد یونس، محمد عارف یونس، محمد منیر یونس

☆ کہانیوں میں خرگوش کے کارنامے، جوتوں کا تماشا، گھنگرو والے بڑے میاں، بصرہ کا سنار اور بن کیے بہت ہی عمدہ تھیں۔ ان کے علاوہ نانگرا فال، اولمپکس، امام غزالی، حکیم ابن سینا مضامین نے اچھی معلومات فراہم کیں۔ حکیم صاحب کی شرارتیں پسند آئیں۔ لطائف بھی مزے دار تھے۔ طارق وہاب خان زادہ، محمد طاہر خان زادہ، اطہر انعام، جعفر حسین، نصر پور، حیدر آباد

☆ سب کہانیاں اچھی تھیں۔ مضمون نانگرا آبشار کی سیر تو ہمیں بہت ہی پسند آئی۔ صفحہ ۱۳۸ پر پہلی لائن میں یہ فقرہ میرے خیال میں غلط ہے۔ "ڈولفن سے مجھے بڑا ہی پیار ہے۔" آگے آپ سمجھیں۔ محمد مسلم زیب، جیکب آباد

☆ یہ خاص نمبر پچھلے خاص نمبر سے بھی زیادہ پسند آیا۔ نانگرا آبشار کی سیر خوب رہی۔ تمام نظمیں اور کہانیاں خوب سے خوب تر تھیں۔ کہانیاں لاجواب تھیں۔ مضامین بہت ہی معیاری تھے۔ میرزا ادیب صاحب کا ڈراما بہت پسند آیا۔ ایک انوکھا انٹرویو، حکیم محمد سعید کی شرارتیں، ایک محسن کے نام، ہماری پیاری زمین، اقوالِ حکیم رسالے کی جان تھے۔

سہیل عمر چودھری، ملتان

✖ اس شمارے کے تحفے بہت پسند آئے ہیں۔ اگر آپ نونہال کے صفحات اور قیمت بڑھا دیں تو مہربانی ہوگی۔ آفتاب رضا، کراچی

> شکریہ۔ صفحات تو پہلے ہی سب سے زیادہ ہیں۔ قیمت البتہ مجبوراً جنوری ۸۵ء سے بڑھانی پڑ رہی ہے۔

✖ ستمبر کے خاص نمبر کو حسین سرورق نے اور بھی پرکشش بنا دیا۔ ملا واحدی، مسعود احمد برکاتی، مشتاق، حکیم محمد سعید، میرزا ادیب کی تحریریں لاجواب تھیں۔ حکیم صاحب کی شرارت پڑھ کر مجھے اپنی شرارتیں یاد آگئیں۔ نونہال کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اسے بچے، بوڑھے، جوان سب شوق سے پڑھتے ہیں۔ پھر اتنی کم قیمت کا رسالہ جو فوٹو آفسٹ پر شائع ہوتا ہے قابلِ تحسین ہے۔

سعدیہ، راول پنڈی

✖ میں بُک اسٹال میں جونہی داخل ہوا تو میری نظر سامنے پڑے ہوئے من پسند رسالے نونہال پر پڑی۔ میں حیران تھا کہ یہ ۲۰ تاریخ کو کیسے آگیا ہے۔ میں انہی سوچوں میں گم تھا کہ دُکان دار نے کہا کہ کیا لینا ہے؟ میں نے کہا، "نونہال"۔ کہنے لگا بیس کاپیاں تھیں، ساری بِک گئیں۔ ایک آپ لے رہے ہیں۔ میں نے پوچھا، یہ کتنی تعداد میں بِک جاتے ہیں، تو وہ کہنے لگا کم از کم سو تو ضرور بِک جاتے ہیں"۔ رسالہ پڑھا بہت مزہ آیا۔ قاضی محمد منصور قریشی، گوجرانوالہ

✖ مجھے آپ سے شکایت ہے کہ دلشاد ابراہیم نے لکھا کہ نظم "سچے لفظوں کی مہک" نگہت شکور ندا نے چوتھی کی اردو کتاب سے نقل کی ہے۔ آپ نے غور کیے بغیر لکھ دیا کہ نگہت شکور ندا ایک سال کے لیے شائع نہ ہوسکیں گی۔ حال آنکہ ندا نے نظم کے آخر میں شاعر کا نام "رئیس فروغ" لکھا تھا، اور یہ آپ کی ہدایت کے مطابق تھا کہ کوئی نظم پسند آئے تو نظم پر اس شاعر کا نام بھی لکھ دیا کریں۔

عبدالرزاق ندیم، کراچی

> واقعی، یہ تو ہم سے غلطی ہوگئی۔ ہم نگہت شکور ندا سے معافی مانگتے ہیں۔ ندا پر سے پابندی ہٹالی گئی ہے۔

✖ نونہال میرا پسندیدہ رسالہ ہے۔ میں ہر ماہ اسے بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔

اسد محمود قریشی ہاشمی، گوجرانوالہ

✖ واقعی آپ نے رسالے کے لیے کافی محنت کی۔ نونہالوں کے لیے تعلیمی اور تفریحی باتیں اور ساتھ ساتھ معلوماتی باتیں لکھیں۔

زاہد اقبال، کراچی

✖ ایک بات بتائیے آپ کے رسالے کی تعداد اشاعت کتنی ہے؟ جواب ضرور دیجیے گا اور میں ایک کہانی بھیجنا چاہتا ہوں۔

اظہار الحسن صدیقی، کراچی

> خاص نمبر پچاس ہزار چھپا تھا۔ کہانی بھیج دیجیے۔

✖ میں نونہال بڑے شوق سے پڑھتا ہوں اور ہر ماہ اس کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتا ہوں اور اس کے لیے میں نے ایک بکس بنا رکھا ہے جس میں میں نونہال کے لیے ایک ماہ سے ہی پیسے جمع کر کے اس بکس میں ڈال دیتا ہوں اور جیسے ہی نونہال آتا ہے فوراً خرید لیتا ہوں۔ عبدالحنیف خان غوری، کراچی

✖ خاص نمبر بے حد پسند آیا۔ یہ اتنا اچھا تھا کہ بیان سے باہر ہے۔ کیا دو مسافر دو ملک کتابی شکل میں شائع ہو چکی ہے۔ اگر ہو چکی ہے تو اس کی قیمت کیا ہے۔ محمد ریاض انصاری، لاہور

> نہیں بھیا، ابھی تو دو مسافر دو ملک کتابی شکل میں شائع نہیں ہوئی۔ ذرا اور انتظار کر لو۔

✖ ابھی تک میری کسی بھی تحریر کو نونہال میں شائع ہونے کی سعادت حاصل نہ ہوئی۔ اگر اب میری تحریر شائع نہ کی گئی تو میں نونہال میں تحریریں لکھنا ہی چھوڑ دوں گا۔

عبدالرزاق انصاری، کراچی

> ایسا ظلم نہ کیجیے گا۔

✖ چالاک خرگوش بہت پسند آئی۔ نونہال میں میں نے بہت بڑی غلطی دیکھی کہ "پتہ" کے بجائے "پتا" لکھا ہوتا ہے۔

آصف علی رانا، کراچی

> "پتا" ہی صحیح ہے۔

✖ خاص نمبر کا ٹائٹل بہت خوب صورت ہے۔ اس میں سب ہی کہانیاں بہت اچھی ہیں۔ محمد مرشد الظفر قدوائی، کراچی

✖ ساری تحریریں بہترین تھیں خصوصاً جاگو جگاؤ، جوتوں کا تماشا، باتوں کا پٹارا، انوکھا انٹرویو۔ مقبول حسین، کراچی

× خاص نمبر پڑھ کر مزہ آگیا۔ خاص طور پر لطائف، حکیم محمد سعید صاحب کی شرارتیں، جوتوں کا تماشا، پتھر بہت ہی پسند آئے۔ خاص نمبر واقعی میں خاص تھا۔

پرویز عباسی، کورنگی

× ہمارے ہادی کا آخری حج، حکیم ابن سینا، مسکراتی تحریریں، جوتوں کا تماشا، ڈراما "یہ نہیں ہوگا"، خاص کر چالاک خرگوش بہت پسند آئیں۔

سید لیاقت علی شاہ، لودھراں

× جاگو جگاؤ بہت اچھا تھا۔ ایک الو کا انٹرویو اتنا اچھا تھا کہ بس۔ کہانیوں میں الزام کس پر، باتوں کا پٹارہ، حکیم محمد سعید کی شرارتیں اور جوتوں کا تماشا بے حد پسند آئیں۔ رسالے کو چومنے کو جی چاہ رہا تھا۔

فرزانہ حاجی علاء الدین، میرپور خاص

× سب کہانیاں معلوماتی اور دل چسپ تھیں۔ "ناگرا آبشار کی سیر" پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ نونہال ادیب میں نورین رحمٰن کی تحریر "شکستِ فاتحانہ" نے بہت متاثر کیا۔ اسی کالم میں شاہد انور شاد کی کہانی "اللہ کے نام پر" نقل شدہ تھی۔

عالیہ صلاح الدین، کراچی

شاہد انور شاد کا نام بھی ایک سال کے لیے "کٹ" ہو گیا۔

× جوتوں کا تماشا اور باتوں کا پٹارہ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ چالاک خرگوش کے کارنامے بے حد پسند آئے۔ لطیفوں کا جواب ہی نہیں۔ جناب دلاور فگار کی نظم جب تم جوان ہو بہت پسند آئی۔

شائستہ رانی، کراچی

× اپنے دوست کے پاس میں ہمدرد نونہال دیکھ کر، پڑھ کر بہت خوش ہوا۔ اس میں جاگو جگاؤ سب سے پہلے پڑھ کر میں بہت خوش ہوا۔ میں کتنی بھی خوشی کا اظہار کروں وہ کم ہے۔ اس لیے کہ میں حکیم محمد سعید صاحب کا بہت شکر گزار ہوں۔ اس کے بعد مسکراتے رہو، کہانیاں اور نونہال ادیب سب مجھ کو بہت پسند آیا۔

علی اصغر چنہ، شہداد کوٹ

× خاص نمبر ۱۹۸۴ء میں میرا مضمون "دیارِ مہران سکھر" شائع ہوا مگر کتابت میں 'دیار' کی جگہ 'دریا' چھپ گیا ہے۔ براہ مہربانی اس کی تصحیح کرا دیں۔ مضمون کی پسندیدگی پر جناب حکیم محمد سعید کی کتاب تحفے میں ملی۔ بہت خوشی ہوئی۔ ان کی حوصلہ افزائی پر اب میں نے نثر لکھنا شروع کر دی ہے۔ خدا ہمارے پرچے کو اور ترقی دے آمین۔

شفاء الحسن انصاری، سکھر

× خاص نمبر جب میرے ہاتھ میں آیا تو دل خوشی سے جھوم اٹھا، لیکن جب کہانیاں پڑھیں تو مجھے دو تین ہی پسند آئیں جن میں "یہ نہیں ہوگا"، "الزام کس پر"، "بصرے کا سنار" اور "دو مٹکے بھر فارسی" شامل ہیں۔ پہلے خاص نمبر کی طرح یہ خاص نمبر اتنا اچھا نہیں تھا۔ نہ اس میں اتنا مزاح تھا نہ کوئی ایک چھوٹی سی جاسوسی کہانی تھی۔

محمد ایوب، حیدرآباد

× خاص نمبر کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ خاص طور پر جو کہانیاں اچھی تھیں ان میں بن گئے، الزام کس پر، مُلّا نصر الدین کا انصاف، خط کی کہانی، تلّا دیس کا آدم خور، بصرے کا سنار، خوش رہنا سیکھو۔ اس کے علاوہ چھوٹی لڑکی بڑی کامیابی، ایک نرالی ڈاک کمپنی، گھنگرو والے بڑے میاں، جناب حکیم محمد سعید صاحب کا انٹرویو جو بچّوں نے لیا، بہت ہی اچھا اور معلوماتی تھا۔ اور ان کی شرارتیں پڑھتے ہوئے باقاعدہ ہنسی آ رہی تھی۔ بھئی حکیم صاحب کو شرمندہ نہیں ہونا چاہیے۔ بچپن میں تو سب ہی بچے شرارتیں کرتے ہیں۔

شہناز کوثر ناز، لطیف آباد

× خاص نمبر کی ساری نظمیں، کہانیاں، کارٹون، لطیفے اور سفرنامے اپنا جواب نہیں رکھتے۔ خاص طور پر ناگرا آبشار، حکیم محمد سعید صاحب کا بہت دل چسپ تھا اور جناب مسعود احمد برکاتی کا "ایک مجسمہ کے نام" بہت پسند آیا۔ بس یہ سمجھ لیجیے کہ اس دفعہ آپ نے باغات کے تمام پھولوں کو اکٹھے کر کے ہم سب کے لیے عید کا تحفہ بھیجا ہے۔

رخسانہ تبسم، کراچی

× تمام تحریریں قابلِ تعریف تھیں۔ خاص طور پر مسکراتی تحریریں، حکیم محمد سعید کی شرارتیں اور ناگرا آبشار بہت اچھی تھیں۔ جن بہترین اور معیاری کتابوں کا آپ نے خاص نمبر میں اعلان کیا ہے وہ لاہور میں دست یاب نہیں ہیں؟ بتائیے ہم ان کتابوں کو کس طرح حاصل کر سکتے ہیں؟

طیب رشید، سنت نگر لاہور

تعجب ہے، خیر آپ ہمدرد فاؤنڈیشن ناظم آباد کراچی کے پتے پر خط لکھ کر منگوا سکتے ہیں۔

☆ اتنا اچھا خاص نمبر نکالنے پر آپ سب کو بہت بہت مبارک باد۔ اس خاص نمبر کی تحریریں معلوماتی اور دل چسپ تھیں۔ اس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے۔ نونہال ادیب میں صالحین رضا کراچی کی کہانی 'نقالی' پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ یہ کہانی ہفت روزہ اخبار جہاں میں چھپ چکی ہے۔ صفحہ نمبر ۷، پر دوسری لائن میں لفظ "سوفے" لکھا ہوا ہے جب کہ یہی لفظ صفحہ نمبر ۱۱۹ گیارھویں لائن میں "صوفے" لکھا ہے۔ ان دونوں لفظوں میں کون سا لفظ صحیح ہے؟ آپ انعامی سوالات پر کوپن نہ رکھتے تو بہتر تھا، کیوں کہ کچھ بچے اپنے دوستوں یا کرائے پر لے کر پڑھتے ہیں۔

راحت صلاح الدین، کراچی

صالحین رضا کا نام ایک سال کے لیے نوٹ کر لیا گیا ہے۔ سوفا (SOFA) انگریزی لفظ ہے اس لیے س سے لکھنا اچھا ہے۔

☆ خاص نمبر بہت اچھا ہے۔ جاگو جگاؤ، مسکراتی تحریریں، جوتوں کا تماشا، تلہ دیس کا آدم خور، بو علی سینا وغیرہ اور یہ نہیں ہو سکتا، بھرے کا سنار، حکیم محمد سعید کی شرارتیں تو بہت ہی پسند آئے۔ لطیفے مزے دار تھے اور اخبار نونہال بھی پسند آئے۔ کرشن چندر کی سلسلے وار کہانی کا تو جواب نہیں۔

عبدالرؤف عاکف، عبدالحکیم شہر

☆ چالاک خرگوش بے حد اچھی ہے۔ میرا خیال ہے اس سلسلے کو کافی دیر تک جاری رکھا جائے۔ جاگو جگاؤ بہترین نصیحت آموز سبق ہے۔ اولمپک کھیل اولمپک موسم کے لحاظ سے بہترین موضوع تھا۔ تحفے بہترین تھے۔ جناب مشتاق سے گزارش ہے کہ وہ کارٹون پر خاص توجہ دیں۔ معلومات عامہ میں بہت مشکل سوالات دیے جا رہے ہیں۔ عمر فاروق، کراچی

☆ سب پر فوقیت جناب حکیم محمد سعید کا جاگو جگاؤ لے گیا۔ جلتے پر جلے کا کام تو آپ کے "اتحاد و اتفاق کا دوسرا نام راحت ہے" نے کر دیا، جس نے ایک ایک قول سے شہد کی سی مٹھاس اور خلوص کی چاشنی ٹپک رہی تھی۔ نیز اقوالِ حکیم نے تو گویا سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ ایسی بہترین تحریریں آج تک میری نظروں سے نہیں گزریں۔ محترمہ ریحانہ رجب علی کا 'کام کی لذت' نے بڑا متاثر کیا۔ آپ کی تحریروں میں سے مجھے امام غزالی سے میری معلومات میں از حد اضافہ ہوا۔ آپ کی ہر تحریر میں مجھے محبت اور خلوص نظر آیا۔ جس کے لیے آپ تمام گھر والوں کی طرف سے دلی مبارک باد قبول کریں۔ حکیم صاحب کی شرارتیں بہت پسند آئیں اور سبق بھی حاصل ہوا۔ کہانیوں میں جناب کرشن چندر کی کہانی چالاک خرگوش بہت عمدہ تھی۔ جناب حکیم محمد سعید کا نائگرا آبشار پر مضمون معلوماتی، مفید اور دل چسپ تھا۔ سیر کا ایسا سفر نامہ میں نے پہلے کبھی نہیں پڑھا۔ ڈاکٹر سہیل برکاتی کا مضمون حکیم ابنِ سینا اور جناب میرزا ادیب کا "یہ نہیں ہوگا" بہترین تھے۔ تلا دیس کا آدم خور، شرلاک ہومز کا استاد، جناب علی اسد کا بھرے کا سنار تمام اہلِ خانہ کو بہت اچھے لگے۔ جناب ساجد علی ساجد کا جب ۲۳ ویں اولمپک کھیل ....." معلومات کا خزانہ تھا۔ چھوٹی لڑکی بڑی کامیابی، "مسکراتی تحریریں" ایک نرالی ڈاک کمپنی کے لیے ادارہ واقعی مبارک باد کا مستحق قرار پاتا ہے۔ نظموں میں "ننھا چلا ہے مدرسے" اور گڑیا کی شادی قابل دید تھیں۔ ظہیر حسن، لاہور

☆ مرسلہ کا مطلب کیا ہوتا ہے، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔

محمد ایاز انصاری، کراچی

مرسلہ کا مطلب ہوتا ہے بھیجا ہوا۔ مرسلہ کے آگے جو نام ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کا بھیجا ہوا۔

☆ کہانیوں میں گھوڑے کہاں گئے، بھرے کا سنار، چالاک خرگوش کے کارنامے، تلا دیس کا آدم خور، جوتوں کا تماشا بہت ہی اچھی کہانیاں تھیں۔ نوازش عباس، کراچی

☆ خاص نمبر پہلے کی طرح بہت اچھا تھا۔ خاص طور پر ہمارے ہادی کا آخری حج اور مسعود احمد برکاتی صاحب کا اتحاد و اتفاق.... باقی تمام تحریریں بہت ہی شان دار تھیں۔ خرم خان، کراچی

☆ نونہال مجھے بہت ہی پسند ہے۔ عقیل احمد، نسیم احمد، وسیم احمد، ثمینہ خورشید، صبیحہ خورشید، شبانہ پروین، ماڈل کالونی

انعام کا اعلان

بلا عنوان سچّا افسانہ

ایک معمولی سپاہی

خاص نمبر (ستمبر ۱۹۸۴ء) میں "عنوان لکھیے" کے تحت ہم نے جو بلا عنوان سچا افسانہ شائع کیا تھا، وہ بہت پسند کیا گیا۔ نونہالوں نے بہت بڑی تعداد میں اس کے عنوانات بھی لکھ کر بھیجے۔ بہت سارے عنوانات میں سے بہت عمدہ اور صحیح عنوان چھانٹنا بھی بڑا مشکل کام ہے۔ مثلاً سرخ کپڑا، سرخ کپڑے کی کرامت، سرخ کپڑے کا کرشمہ، سرخ کپڑے کا راز، کرامتی کپڑا۔ یہ عنوانات اچھے ہیں اور ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ نونہالوں نے افسانے کو توجہ سے پڑھا ہے، لیکن غور کیجیے تو اس میں سرخ کپڑے کا کوئی کارنامہ نہیں ہے۔ کارنامہ تو آدمی کا ہے، اُس آدمی کا جو اِس کپڑے کو اپنی جان کا محافظ سمجھتا تھا پھر بھی اس نے یہ کپڑا اپنے دوست اور محسن کو پیش کر دیا، گویا اس نے اپنی جان نذر کر دی۔ یہ آدمی سپاہی تھا، جس کو لوگ معمولی آدمی سمجھتے ہیں لیکن بظاہر معمولی آدمی بھی بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ اس سچے افسانے سے یہی ثابت ہوتا ہے، لہٰذا اس افسانے کا بہترین عنوان ہوا:

ایک معمولی سپاہی

یہ عنوان جن ذہین نونہالوں نے بھیجا ہے اُن کے نام اور پتے یہ ہیں:

۱ ۔ عفت رحمان ۔ مکان نمبر ۱۲۱، درخشاں سوسائٹی ۔ کراچی

۲ ۔ صدف رشید خان ۵/۶ ۔ ۳ ۔ بی ناظم آباد ۔ کراچی

۳ ۔ محمد جعفر نی تی ۔ فلیٹ ۱۳، تیسری منزل معصوم علی چیمبر ۔ این پی ۔ ۵/۱۱ ۔ کیمپ چند اسٹریٹ جوڑیا بازار کراچی ۲

۴ ۔ فوزیہ خان ۔ مکان ۱۵۸۹ بلاک ۲ فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

۵ ۔ عبدالحفیظ شیخ ۔ مکان نمبر ۸۲، بلاک نمبر ۸ عزیز آباد ۔ کراچی

ہم ان نونہالوں کو دلی مبارک باد دیتے ہیں۔ انعام کی رقم تین سو رُپے ان پانچوں نونہالوں میں برابر تقسیم کر کے ایک مہینے بعد منی آرڈر سے روانہ کر دی جائے گی۔ احتیاطاً یہ نونہال ہمیں اپنے پتے دوبارہ لکھ بھیجیں۔

جن نونہالوں نے سرخ کپڑا وغیرہ عنوان تجویز کیے ہیں انھوں نے بھی اپنے طور پر افسانے کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ ہم ان کے نام بھی یہاں درج کر رہے ہیں اور ان کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

جن نونہالوں کو انعام نہیں ملا، یا جن کے نام جگہ کی کمی کی وجہ سے شائع نہیں کر رہے ہیں وہ بھی قابلِ قدر ہیں اور ان کو بددل ہونے کے بجائے اپنی کوششیں جاری رکھنی چاہییں۔

اچھے اچھے عنوان بھیجنے والے نونہال

کراچی

صائمہ بیگ
انور علی خان
روبینہ یاسمین
انور اسماعیل قادری
رؤف حسین
فضل احمد
عبدالرزاق انصاری
راحت صلاح الدین
دردانہ قریشی
رخسانہ تبسم
آمنہ بیگم
نازیہ رمضان
مہناز فاطمہ
طارق سعید
آصف عزیز بلگرامی
عامر حسین
ایس۔ ایم جاوید
بشریٰ احمد
محمد مظہر
محمد عارف الیاس
اویس احمد قدوائی
سید محمد فہیم
حافظ محمد مرتضیٰ
اصغر کامران
آمنہ خالد
عنبر حفیظ علوی
رخشندہ صادق عابدی

انیس فاطمہ
فوزیہ سلطان
محمد شکیل حیدر
محمد ارشد اعوان
مریم حسین
نزاکت حسین قادری
شہر بانو
چمن لال
محمد رضوان
محمد تنویر باسعید
محمد رضا فاطمی
ماما عباس خاں
سید سہیل مہدی رضوی
فاطمہ صدیقہ
صوفیہ رمضان
شبانہ محمد اسمٰعیل
رضوانہ سلطان
شارق پاشا
محمد طارق ملک
طاہرہ محبوب
حیدر علی
جمیلہ عبدالغنی
خالد رزاق
جمال الدین انجم
محمد ارشد انصاری
ندیم احمد
عدیل اختر
آمنہ خان محمد

محمد صادق خان
نزہت ہنیا
شہاب احمد
محمد حسین
سمن توقیر
فرحت خان
شائستہ بہا
سیدہ صائمہ جبیں
شاہد احسن
عبدالوحید
شجاعت علی خان
سیما یامین
محمد عمران
محمد صابر زاہد
صفدر علی
حیدر علی
ثروت ناصح
خالد حنیف
رضوان احمد
ممتاز علی کوارٹی بلوچ
ثروت فاطمہ
مسعود نبی خان
حمیرہ حسن
بشیرہ قاسم
صدف رمضان
محمد یونس
مسرور انور صالحین
عطاء الرحمن عثمانی

سید حبیب علی شاہ
عظمیٰ رزاق
حسنی خان
ممتاز احمد عثمانی
جاوید
بے بی ناز
نوشابہ علی
محمد شاہ اللہ صدیقی
محمد نصیر
عبدالناصر
مبین احمد
شائستہ قیوم
زرینہ سلمان
شہزاد محمود
عظمیٰ رزاق
محمد جاوید خان نیازی
شبینہ خورشید
خالدہ فاروقی
عبدالمبین
حسان بن اسلام
وسیم زیبی سلطانہ
شاہدہ سلمیٰ
اختر مسعود
محمد رفعا
محمد ایاز انصاری
رضوان ملک
نزہت رضوی
محمد احسن علی

محمد سلیم بسمل
آصفہ عفت
میمونہ اسمٰعیل
ندیم اسلم
فیصل احمد بخاری
محمد وحید
سلمان سعید
محمد طیب بخرانی بلوچ
محمد خالد رانا
جواد بن اسلام
تاج حسین شاہ
روبینہ عظمت
ذیشان خان
محمد رضا فاطمی
مرزا شاہ جہاں حنیفی
سلیم انور عباسی
قمر انساء
رشاد فرید
جواد فرید
عظمیٰ سعید
حلیمہ کوثر
شمیم گل
عقیل احمد
نصیر الدین
رخسانہ ناز
محمد جسیم احمد
ایس حبیب
حیدر علی اکبر علی

حیدر آباد

محمد شفقت عمران خان
اسرار الحق خان زادہ
سید الیاس حسین رضوی
خورشید نقوی
خواجہ محمد اشرف
اسماء صدیقی
نور العارفین
مسعود کامل
جاوید یلین
غلام حیدر
آنسہ نجم فروغ خان
محمد نعمان قادر
تو بیہ صادق

نواب شاہ

عابدہ
تحسین وصی فاروقی
جاوید ممتاز
خواجہ سلمان احمد
مسیح الدین
خواجہ بہاء الدین مظہر
بشیر احمد قائم خانی
نوشابہ سمیع فاروقی
اشتیاق علی، مردان
نوشابہ سلیم، جیکب آباد

سکھر

جانس لیمبجر
سید علی نزہت عابدی
عبدالستار آرائیں
نسرین انصاری
تسنیم احمد

لطیف آباد

انیس بیگ
ساجد اقبال خان
مہناز حسام الدین
سید محمد مشکور نقوی
غیر نقوی
سید محمد جمیل

اسلام آباد

فہیم فاروقی
عرفانہ عثمان
راحت رضوی
سید علی اسد

شکارپور

انجم منیر الدین
ترنم منیر الدین
نازنین فاروقی
صداقت زماں، ہیری پور ہزارہ
محمد حارث ہاشم، جام شورو
اعجاز حیدر غنی ہاشمی، میانوالی
علی حماد رضا، مقام نامعلوم

شہداد پور

محمد تنویر قریشی
ایم آر دانش

لاہور

ناہید اختر
سید مقصود سلہری
غلام نبی
شاہد اقبال
جہانگیر مسعود
شہزاد محمود

راول پنڈی

فیصل شہزاد
خادر علی شیخ
عدنان خالد
عدنان مہدی

ملتان

مجید احمد ساجد
سید شمیم احمد
سعید احمد عابد
عبدالرؤف ایکسٹو
محمد حبیب القادر یزدانفر
آصف ممتاز، فیصل آباد
احمد ندیم قاضی، لالہ موسیٰ
میمونہ رانی، رحیم یار خاں
محمد نوید، مقام نامعلوم

شاہ پور چاکر

سلطانہ عرفان
محمد عامر خان
آصفہ پروین

متفرق شہر

رفیع الزماں، جیکب آباد
محمد حنیف وقار، بہاول نگر
شکیل احمد، صوبہ سرحد
سہیل احمد، اٹک
اظہر حسین، روہڑی
محمد ابراہیم رحمانی، گوجرانوالہ
رانا سبحان اشرف، ٹنڈو آدم
محمد سلطان، واہ کینٹ
گنج بخش بلوچ، اسٹاپ پسنی
ساجد منظور، واہ کینٹ
عابد محمود زاہد، گجرات
صبغۃ اللہ، خیرپور میرس
لیق الرحمٰن، بلوچستان
صائمہ نذر، آزاد کشمیر
سید فرحان علی شاہ، ٹنڈو الہ یار
رحیم بخش، ایبٹ آباد
ہما اختر، لاڑکانہ
میمونہ رانی، رحیم یار خاں
فرزانہ حاجی علاء الدین، میرپور خاص

تسنیم رضی، احمد پور شرقیہ
کاشف حسین، لاڑکانہ
خواجہ انوار احمد خان، روڈ بھرہ
سعید احمد ملک، بہاول پور
محمد نعیم شکور، ملتان کینٹ
عبدالرحمٰن، بلوچستان
بشریٰ خانم، جہلم
شعیب منیر، خیرپور میرس
نادر شاہین، سیال کوٹ
منصورہ بیگم، فیصل آباد
ندیم احتشام قائم خانی، ٹنڈو الہ یار
محمد حنیف غوری، خیرپور میرس
ظہیر حسن، پنجاب
رضوان اصغر، سرگودھا
فہمید عباس ہاشمی، پنجاب
اقتدار حسین زبیری، واہ کینٹ
غزالہ تبسم، بہاول پور
اشفاق غلام علی، ڈگری

ڈیرہ اسماعیل خان

سید باقر حسین شاہ
سید یاسر علی شاہ
خیرپور
سید ساجد مہدی زیدی

مقام نامعلوم

شفیع سعید اللہ خان
نوید اختر، سکھر

آوازِ اخلاق وقت ایسی زمین ہے جس میں محنت کے بغیر کچھ نہیں پیدا ہوتا!

ہوگا دنیا میں تو بے مثال میرے بچے میرے نونہال

فطری طور پر کوئی دو بچے اپنی شکل وصورت، عادات و اطوار اور دماغی صلاحیتوں کے اعتبار سے ایک جیسے نہیں ہوتے اور یوں ہر بچہ بے مثل کہلایا جا سکتا ہے۔ لیکن ہر ماں اپنے بچے کو انفرادی طور پر ایک تن درست، روشن دماغ اور بے مثل کامیاب انسان دیکھنا چاہتی ہے۔ اس آرزو کی تکمیل کا زیادہ تر انحصار بچے کی صحیح اور صحت مند پرورش پر ہے۔

دور اندیش مائیں اپنے بچوں کی صحت مند پرورش اور آرام و سکون کے لیے انہیں نونہال ہربل گرائپ واٹر باقاعدگی سے دیتی ہیں۔

جڑی بوٹیوں سے تیار شدہ خوش ذائقہ نونہال ہربل گرائپ واٹر بچوں کی آئے دن کی تکالیف مثلاً بدہضمی، قبض، اپھارہ، قے و دست، بے خوابی، دانت آنا اور پیاس کی شدت وغیرہ کے لیے ایک مفید اور مؤثر گھریلو دوا ہے۔

نونہال
ہربل گرائپ واٹر
بچوں کو مطمئن، مسرور اور صحت مند رکھتا ہے

Naunehal
Herbal Gripe Water

Hamdard